www.neweramagazine.com
فراق
بقلم فضہ بتول
New Era Magazine

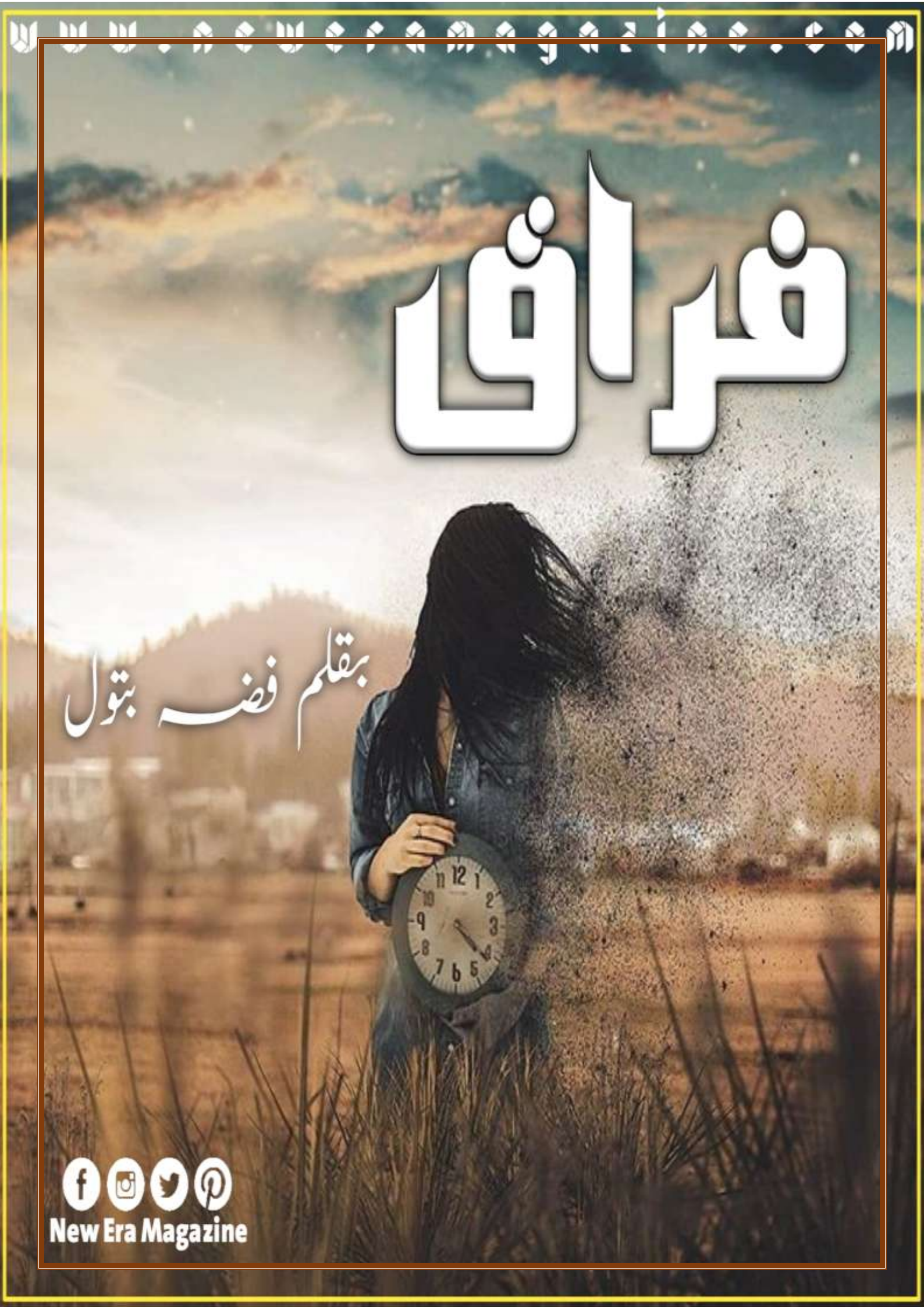

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فراق

از فضہ بتول

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔ ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین (New Era Magazine) کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔ اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل، شاعری، پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین

☆☆☆☆☆

بارشوں کے موسم میں
وہ جو اپنے کمرے کی
کھڑکیوں کو بند کر کے
بادلوں کے جانے کا
انتظار کرتے ہیں
وہ بھی اک زمانے میں
بارشوں کی بوندوں سے
کھیلتے رہے ہوں گے
چودھویں کی راتوں میں
جلد سونے والوں کی
چاندنی سے ماضی میں
دوستی رہی ہو گی
حسن و عشق کی باتیں
آج واسطے جن کے
کچھ وقعت نہیں رکھتیں
بھولے بسرے لمحوں میں
ٹوٹ کر کسی کو وہ
چاہتے رہے ہوں گے

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ جو اپنے غم پر بھی

آنکہ نم نہیں کرتے

کل کسی کی خاطر وہ

خوب رو چکے ہوں گے

درد آشنا ہو کر

اشک کھو چکے ہوں گے

آج پھر بارش کھل کر برسی تھی۔ ہر سو جل تھل کا سماں تھا۔ ساری کائنات جیسے دھل دھلا کر نکھر گئی تھی۔ بادل اب بھی یوں گھر گھر کر آرہے تھے کہ بس اب برسے کہ تب۔ عبیرہ نے عقبی باغ کی جانب کھلنے والا جالی دار دروازہ کھولا اور برآمدے میں نکل آئی۔ چھوٹا عقبی باغ کسی اجاڑ بیابان کا منظر پیش کرتا تھا۔ آم اور جامن کے پیڑ بالکل اداس کھڑے تھے۔ گھاس بے ترتیب سی تھی اور درختوں سے ٹوٹ کر گرنے والے پتے جابجا بکھرے پڑے تھے۔ جگہ جگہ پانی کھڑا تھا۔ لوہے کی وہ دو زنگ آلود کرسیاں عقبی باغ کے بیچوں بیچ رکھی تھی کہ جن پر بیٹھ کر وہ اور حیدر گھنٹوں باتیں کیا کرتے تھے۔ اور آم کے پیڑ سے بندھا وہ جھولا۔۔ عبیرہ کی نگاہیں ٹھہر سی گئیں۔ وہ جھول اب کیسا تنہا تھا۔ اسے آج بھی یاد تھا بارش کے موسموں میں یہ جھولا اس نے حیدر

سے ضد کر کے ڈلوایا تھا۔

چھوٹی سی بچی ہو ناں تم جو جھولا جھولو گی۔ وہ جھولا بندھواتے ہوئے جھنجھلا رہا تھا۔

یہ کونسی کتاب میں لکھا ہے کہ جھولا جھولنا صرف بچیوں کا حق ہے۔ وہ مزے سے بولی۔

اچھا بیکار کی ٹائیں ٹائیں مت کرو۔ وہ برا سا منہ بنا کر رہ گیا تھا جبکہ وہ مزے سے مسکراتی رہی تھی۔ اور پھر ہر روز وہ گھر کے کاموں سے فرصت پاکر جھولے پر آبیٹھتی اور دیر تک گانے گاتی رہتی۔ جامن کے درخت میں چھپی کوئل بھی اسکی تال میں تال ملاتی اور آم کے پیڑ میں چھپے طوطے بھی ٹیں ٹیں کرنے لگتے۔۔ فضا میں چکراتی چڑیاں بھی اسے کوئی بھٹکی ہوئی شہزادی تصور کرتی اسکے آس پاس جمع ہوکر اپنی مدھر سی چہکار سے ماحول کو معطر کردیتیں اور یوں عبیرہ کے فراغت کے لمحات قدرت کے حسین شاہکاروں کے سنگ بہترین انداز میں گزر جایا کرتے اور شام کو جب حیدر تھکا ہارا گھر لوٹتا تو وہ اسے رو پہلی کرن کی طرح چمکتی دمکتی اور بہار کے اولین پھول کی مانند مہکی مہکی ملتی۔ اسکے تراشیدہ لبوں پر ایسی جاندار سی مسکان ہوتی کہ حیدر کی ساری تھکن اس مسکان کو دیکھ کر ہی ختم ہوجاتی تھی۔

نہ کوئی نام ، نہ چہرہ ، نہ رابطہ نہ فراق

کسی کا پھر بھی ، مجھے انتظار رہتا ہے

چڑیا زور سے چہکی تو عبیرہ اپنے خیالوں سے چونکی۔ آسمان ایکبار پھر سیاہ گھور بادلوں سے ڈھک گیا، دن میں بھی شام کا سماں ہو گیا تھا۔ بارش بس ہونے کو تھی۔ یکدم بادل زور سے گرجے تو جانے کیوں وہ پوری جان سے کانپ گئی۔ اس سے پہلے تو وہ کبھی بادلوں کی گرج سے نہ ڈرتی تھی۔ وہ تو بادلوں کی گھن گرج کیساتھ قہقہے لگانے والی لڑکی ہوا کرتی تھی۔ حیدر اکثر اسکی اس عادت سے چڑ جاتا کرتا تھا۔

یہ بادلوں کی گرج کیساتھ تمہارا کھی کھی کرنا ضروری ہوتا ہے کیا۔ وہ اکتا کر کہتا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میں فطرت کی قہرمانیوں کو چیلنج کرتی ہوں۔ وہ کچن سے ہی آواز لگا کر کہتی۔

جہنم میں جاؤگی سیدھی۔ وہ سیدھا سادا دو جمع دو چار کرنے والا بندہ تھا۔ فطرت کے حسن کو دل سے محسوس کرنے جیسے نازک خیالات سے بھی کوسوں دور۔ جبکہ عبیرہ کا مزاج اس سے بالکل الٹ تھا۔ وہ تو مرجھائے ہوئے پھولوں میں بھی فطرت کا حسن تلاش کرلیتی۔ مگر مزاجوں کے اس درجہ تفاوت کے باوجود انکے درمیان کبھی اختلافِ رائے نے جنم نہ لیا تھا شاید اسلیے کہ وہ اک دوسرے کی رائے کا اک دوسرے کی پسند نا پسند کا احترام کرتے تھے۔ انکی زندگی کسی سبک رواں ندی کی طرح محوِ خرام تھی۔ حیدر صبح آفس چلا جاتا وہ

گھر کے کام کاج کرتی اور باقی کا وقت جھولا جھولتے، سوکر یا ٹی وی دیکھ کر بِتا دیتی۔ حیدر کے واپس آنے سے پہلے ہی وہ چائے تیار کرلیتی۔ وہ آفس سے گھر آکر فریش ہوتا تب تک وہ عقبی باغ میں رکھی دو کرسیوں اور چھوٹی سی میز پر چائے اور لوازمات سجا چکی ہوتی۔ وہ دونوں چائے کی میز پر خوب باتیں کرڈالتے۔ دن بھر کی روٹین، حالاتِ حاضرہ، سیاست، موسم ہر موضوع۔۔ وہ اصل معنوں میں اک دوسرے کے جیون ساتھی تھے۔

ہفتے میں ایک آدھ بار حیدر اسے باہر گھمانے بھی لیجاتا اور گاہے بگاہے اظہار محبت بھی کردیا کرتا۔ زندگی بہت اچھی گزر رہی تھی۔

انکے درمیان پہلا اختلاف تب ہوا جب حیدر کی پروموشن کے بعد اسکی دوبئ پوسٹنگ کے آرڈر آئے تھے۔

ہمیں نہیں چاہیے پوسٹنگ ووسٹنگ نہ ہی زیادہ پیسے۔ بس ہم یہیں ٹھیک ہیں۔ وہ اس خبر پر خوشی کا اظہار کرنے کی بجائے برا سا منہ بنا کر بولی تھی اور حیدر جو بے حد خوش تھا اسکی اس ادا پر چونک سا گیا۔

لیکن عبیرہ یہ بہت اچھا موقع ہے زندگی سنوارنے کا۔ وہ رسان سے بولا۔

ہماری زندگی بگڑی ہوئی کب ہے حیدر ہے۔ اچھی بھلی تو ہے۔

کم آن یار! تیس ہزار ماہانہ پر گزارا کرتے ہیں ہم۔ گن گن کر خرچ کرنا پڑتا ہے اور تم کہتی ہو سب سیٹ ہے۔ وہ تھوڑا جھلا گیا تھا۔

ہم دو ہی تو بندے ہیں صرف۔ بہت اچھے سے گزارا ہوتا ہے ہمارا الحمد للہ۔

ہاں جو کماتا ہوں بس خرچ ہوجاتا ہے دو سال ہونے کو آئے ہیں شادی کو ایک روپیہ تو جمع نہیں کرسکے ہم۔

تو جمع کرکے کیا لینا ہے حیدر۔ اللہ کا کرم ہے اپنا گھر ہے گاڑی ہے سب کچھ تو ہے ہمارے پاس۔ وہ اللہ کی نعمتوں پر قانع تھی۔

بچوں جیسی باتیں مت کرو۔ میرے خواب اس سات مرلے کے گھر اور اس سوزوکی مہران سے بہت بلند ہیں۔ میں ساری عمر خالی بینک بیلنس کیساتھ نہیں گزار سکتا۔ اس نے اپنا مطمع نظر واضح کردیا تھا۔

آپ اتنے مادیت پرست کیوں ہورہے ہیں حیدر۔ اسنے بے یقینی سے پوچھا۔

اسمیں مادیت پرستی کی کیا بات ہے۔ ہر انسان پر آسائش زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ وہ کندھے اچکا کر بولا تھا۔

مجھے تو یہ زندگی ہمیشہ پر آسائش اور پر سکون ہی لگی ہے حیدر۔ وہ مدھم آواز میں بولی تھی۔

اسلیے کیونکہ تمہاری سوچ کا دائرہ وسیع نہیں ہے۔ شادی سے پہلے تم گاؤں میں رہتی تھی تعلیم تم نے میٹرک کے بعد پرائیویٹ حاصل کی، تم کیا جانو آسائشیں کیا ہوتی ہیں۔ وہ کیسا اجنبی سا نظر آرہا تھا۔ عبیرہ کو دکھ ہوا تھا وہ

چپ چاپ اٹھ کر عقبی باغ میں نکل آئی۔ رات اپنے پر پھیلائے کھڑی تھی وہ وہیں برآمدے کے اسٹیپ پر ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ آسمان پر دور دور کہیں اکا دکا ستارے ٹمٹما رہے تھے سارے میں ایک سناٹا تھا۔کچھ ہی دیر گزری تو حیدر بھی اسے تلاش کرتا وہیں چلا آیا۔

دیکھو عبیرہ یہ سب میں اپنے اور تمہارے بہتر مستقبل کے لیے ہی کر رہا ہوں۔ اسنے نرم لہجے میں اسے سمجھانا چاہا۔

میں آپ کے بغیر کیسے رہوں گی حیدر۔ وہ روہانسی ہوکر بولی۔

تم اپنے امی ابو کو اپنے پاس بلا لینا یا انکے پاس چلی جانا۔ اور پھر میں بھی سال چھ ماہ بعد ایک چکر لگا لیا کرونگا۔ وہ جانے کا فیصلہ کرچکا تھا۔ عبیرہ نے گردن موڑ کر دیکھا۔ کھلے دروازے سے چھن کر آتی روشنی اس حصے کو روشن کرنے کے لیے ناکافی تھی۔ اور اس ملگجی سی روشنی میں حیدر کا چہرہ اسے بہت اجنبی سا لگا تھا۔

پلیز حیدر مت جائیں ناں۔ اس نے اسکے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر منت کرنے والے انداز میں کہا تھا۔

عبیرہ پلیز۔ بیویاں تو خوش ہوتی ہیں اپنے شوہروں کی ترقی پر اور تم یوں منہ بنا رہی ہو۔ اسنے شکوہ کیا۔ وہ نہ کہہ سکی کہ اسے دولت کے عیوض تنہائی کا عذاب گوارا نہ تھا۔ اسکے لیے تو بس اپنے ہمسفر کا ساتھ ہی کافی تھا۔

دیکھو میں چار سال دوبئ میں گزار آؤنگا تو ہمارے دن بدل جائیں گے۔ ایک اچھا سا گھر بنائیں گے شاندار سی گاڑی لیں گے۔ اور پھر ہمارے بچے بھی ایک لگژری لائف گزار سکیں گے۔ وہ پرجوش نظر آرہا تھا۔

بچے جانے کب ہوں حیدر۔ وہ جو ہے ہی نہیں اسکے لیے آپ مجھے تنہائی کا عذاب دینگے۔

کبھی نہ کبھی تو ہونگے ناں۔ اور تم تنہا کیوں ہوگی بھئی۔ کہا ناں امی ابو کو بلوا لینا۔ اور پلیز اب مزید بحث نہیں۔ وہ حتمی انداز میں بول کر اٹھا اور کھلے دروازے سے اندر چلا گیا وہ بہت دیر تک وہیں بیٹھی رہی تھی۔

اسکے بعد اگلے دو تین دنوں تک گاہے بگاہے یہی موضوع زیرِ بحث رہا۔ عبیرہ نے لاکھ چاہا وہ حیدر کا ارادہ بدل دے مگر کامیاب نہ ہوسکی۔ اسے رکنا تھا نہ وہ رکا۔ جانے سے قبل اس نے عبیرہ کے امی ابو کو بلوا لیا تھا۔ وہ بھی بہت خوش تھے کہ حیدر کی زندگی سیٹل ہونے جارہی تھی مگر عبیرہ کا دل جانے کیوں مطمئن نہ تھا۔ گوکہ حیدر نے جانے سے قبل اسکو یقین دلایا تھا کہ وہ اسکے ساتھ مستقل رابطے میں رہے گا اور فاصلے کے باوجود انکے رشتے میں دراڑ نہ آسکے گی پر جانے کیوں عبیرہ کا وجدان اسے وارننگ دے رہا تھا کہ کچھ غلط ہونے جارہا ہے۔ جب وہ حیدر کو ہوائی اڈے پر رخصت کرنے گئی تو اسکی پشت کو حد نگاہ تک تکتے ہوئے اسے لگا تھا جیسے محبتوں بھری رفاقت کے دن

تمام ہوئے۔۔ اب بس تنہائی کا عذاب ہوگا اور وہ ہوگی۔

شروع شروع میں حیدر اسکے ساتھ برابر رابطے میں رہا مگر آہستہ آہستہ یہ سلسلہ کم ہوتا گیا اور بلآخر بالکل ختم ہوگیا۔ امی ابو اسے اصرار کرکے گاؤں لے آئے۔ وہ حیدر کی منتظر تھی۔ مگر اب تو اسکا نمبر بھی بند ہی رہتا تھا۔ جانے ایسی کونسی مصروفیات تھیں اسکی کہ ایک فون کال کرنے کا بھی وقت نہ ملتا تھا۔ سال بھر وہ اسے پیسے بھیجتا رہا تھا مگر سال بعد اچانک یہ سلسلہ بھی رک گیا۔ عبیرہ کے بھائیوں نے اس کمپنی سے معلومات حاصل کی جس کے توسط سے وہ باہر گیا تھا تو معلوم ہوا کہ وہ تو ایک سال قبل ہی جاب چھوڑ گیا تھا اسکے چند دوستوں سے معلوم ہوا کہ وہ کافی عرصے سے باہر جانے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا اور جب اسے موقع ملا تو وہ نوکری چھوڑ کر چلا گیا۔ یہ انکشاف عبیرہ اور اسکے گھر والوں کے لیے کسی شاک سے کم نہ تھا۔

اسکا یقین تو کچھ اسطرح سے ٹوٹا کہ اسکے ہونٹوں پر چپ کے تالے پڑگئے۔ وہ جیسے پتھر کی مورت بن گئی تھی۔ وہ بیمار رہنے لگی تو ابو اسے علاج کے لیے شہر لے آئے۔ ڈاکٹر نے بیماری کی وجہ ڈپریشن بتائی۔ ابو اسے ہر وقت خوش رہنے کی تلقین کرتے رہتے۔ مگر وہ کیسے خوش ہوجاتی اسکے دل کی دنیا تو جیسے ویران ہوکر رہ گئی تھی۔

شہر میں انکا قیام ابو کے ایک دور پار کے کزن کے گھر پر تھا۔ قیام کے دوران

ہی ایک روز عبیرہ شام کے وقت کالونی کے پارک میں ایک بنچ پر بیٹھی تھی ابو کچھ دور انکل کیساتھ واک کر رہے تھے جب ایک جانی پہچانی صورت عبیرہ کو اپنی جانب آتی دکھائی دی۔ وہ یہ یاد کرنے کی کوشش کرنے لگی کہ اس شخص کو اس سے قبل کہاں دیکھ رکھا تھا۔ وہ مناسب سی چال چلتا اسکے سامنے آن رکا۔

اگر میری نظریں دھوکا نہیں کھارہیں تو آپ مسز حیدر ہیں۔ اسنے شائستہ لہجے میں دریافت کیا۔ عبیرہ نے غائب دماغی کیساتھ سر اثبات میں ہلادیا۔

مجھے ڈاکٹر شہریار کہتے ہیں شاید آپکو یاد ہو میں آپکی شادی میں بھی شریک ہوا تھا۔ حیدر کا دوست ہوں۔ اسنے اپنا تعارف کروایا تو عبیرہ کو یاد آگیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جی۔ وہ سوالیہ انداز میں بولی۔

کیسی ہیں آپ؟

ٹھیک ہوں۔

اور حیدر کیسا ہے؟ دوبئ سے واپس آگیا وہ؟

نہیں۔ اسنے مدھم آواز میں جواب دیا۔

اب تک واپس نہیں آیا؟ اسنے حیرت آمیز لہجے میں پوچھا۔ عبیرہ نے زخمی نظروں سے اسکی طرف دیکھا تو وہ جلدی سے بولا۔

میرا مطلب ہے وہ تو کمپنی کے توسط سے گیا تھا ناں۔

عبیرہ چپ چاپ اٹھ کھڑی ہوئی۔

سال میں ایکبار تو آ ہی سکتا ہے وہ کہہ رہا تھا۔ عبیرہ نے ان سنی کرتے ہوئے قدم اس جانب بڑھا دیئے جہاں ابو کھڑے تھے۔ وہ اسے عقب سے پکارتا ہی رہ گیا مگر وہ نہ پلٹی۔ دل میں اٹھتے شدت کے درد کو دبانا اتنا سہل بھی نہ تھا۔ اس روز وہ گھر واپس آکر دیر تک روتی رہی۔

تمام رات حیدر کے ساتھ گزاری زندگی کے لمحات کسی فلم کی مانند اسکے ذہن کے پردے پر چلتے رہے تھے۔وہ اسکا محبتیں نچھاور کرنے والا شوہر جس کے لفظ لفظ میں عبیرہ کے لیے زندگی کی نوید تھی، جس کی ہر نگاہ میں اسکے لیے محبتوں کا اک جہان آباد ہوا کرتا تھا اور جس کا لمس اسکی روح کے لیے جیسے امرت تھا۔۔

وہ کیسے مان لیتی کہ وہ اسکا اور صرف اسکا حیدر اتنا منافق اتنا جھوٹا بھی ہو سکتا تھا۔وہ کیسے مان لیتی کہ وہ جو اسکی روح کا ساتھی اسکے قلب کا مکیں تھا وہ اسکے ساتھ دھوکے کا بندھن نبھاتا رہا۔

بظاہر تمام صورتحال حیدر کے مخالف جاتی تھی مگر عبیرہ کا دل اسے بے وفا ماننے پر تیار نہ تھا۔یہ اسکی خوش گمانی کی انتہا تھی یا جانے محبت کی انتہا کہ اسے حیدر کی محبت پر یقین تھا۔اسے یقین تھا کہ وہ چاہے دنیا کے کسی کونے

میں بھی جابسے اسکے دل میں صرف اور صرف عبیرہ سجاد کی ہی محبت رہے گی۔

چڑیا زور سے چہکی تو وہ یادوں کے منجدھار سے باہر نکلی۔بارش اب ہلکی پھوار کی صورت برس رہی تھی۔عبیرہ وہیں برآمدے کے زینے پر بیٹھ گئی۔اسکے دل پر گہری چپ کا موسم اترا تھا۔وہ گزشتہ چھ ماہ سے مسلسل اپنے آپ سے محو جنگ تھی۔دماغ کہتا حیدر کو بھول کر ابو اور بھائیوں کے مشورے کے مطابق عدالت سے طلاق حاصل کرکے زندگی کو نئے سرے سے شروع کردے مگر دل کہتا نہیں زندگی تو بس محبت ہی ہے اور محبتوں میں ملاوٹ کہاں ممکن ہوتی ہے بھلا۔

امی ابو اور بھائی اسے سمجھا سمجھا کر ہارچکے تو وہ اپنے آپ سے جنگ جیت گئی اور ایک فیصلے پر پہنچ کر شہر چلی آئی تھی۔اسکا فیصلہ محبت کے حق میں تھا۔ اسے ایک بار اپنی محبت کو تلاشنا تھا، بھلے وہ اسکا محرم اسکا مجرم ہی نکل آتا لیکن اسے کھوجنا تھا اپنے محبوب کو۔

گزرے مہینوں میں اسنے بارہا کوشش کی تھی کہ خود کو یادوں کے چنگل سے نکال لے ماضی کے اثر سے باہر آسکے۔ہر رات وہ خود کو سمجھا بجھا کر سوتی کہ اب وہ حیدر کو کبھی یاد نہیں کریگی اسے کبھی نہیں پکارے گی۔مگر پھر صبح آنکھ کھلتے ہی پہلا خیال حیدر کا ہوتا۔اور وہ بہتے آنسوؤں کیساتھ اسے پکارتے ہوئے

خود کو ماضی کی یادوں کے حوالے کر دیتی۔

ماضی تو ختم نہیں ہوتا۔۔ہمارے ساتھ ساتھ رہتا ہے سایے کی طرح۔۔

کبھی کوئی مانوس سی خوشبو، جانا پہچانا لہجہ، ایک نظر۔۔اور بعض اوقات کوئی ایک لفظ ماضی کو سامنے لا کھڑا کرتا ہے اور اس لمحے اندازہ ہوتا ہے کہ بیکار ہی اتنی مسافت طے کی۔۔۔اتنا طویل سفر رائیگاں ہی گیا۔۔دل تو اب بھی وہیں کہیں بیتے دنوں میں اٹکا ہے۔۔۔

زندگی تو بس وہی تھی

جو

جی لی گئی۔۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

عبیرہ بھی کچھ ایسی ہی کیفیات کا شکار تھی وہ دن رات خود کو حیدر کی محبت میں اور شدت سے ڈوبتے دیکھتی۔محبت کسی زہر کی طرح اسکی رگ رگ میں سرایت کرچکی تھی۔اسکے سامنے دو راستے تھے۔یا تو مایوس ہوکر خود کو موت کے حوالے کر دے یا پھر زہر کے تریاق کو تلاش کرے۔۔مرنا تو بہرحال تھا تو کیوں نہ تلاش حیات میں سر گرداں ہوکر مرا جائے۔۔

سو اس نے فناء ہونے سے قبل بقاء کی جنگ لڑنے کا فیصلہ کرلیا۔

وہ ابو کیساتھ دو دن قبل ہی شہر آئی تھی۔اور اپنے گھر میں داخل ہوتے ہی

یادوں کے سب در وا ہوگئے۔اسکے عقب میں آہٹ ہوئی تو وہ چونکی۔ابو اسکو تلاش کرتے ادھر ہی آنکلے تھے۔

یہاں کیوں بیٹھی ہو بیٹا؟ انہوں نے نرم لہجے میں پوچھا۔وہ سستی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

بس یونہی ابو۔آپکا کمرہ درست کر دیتی ہوں آپ آرام کرلیں۔وہ کہتے ہوئے اندرونی کمروں کی جانب بڑھ گئی تھی۔

اس نے اپنے کمرے میں قدم رکھا اور پھر بے اختیار رک گئی۔اسکی نظروں کے عین سامنے دیوار پر ایک بڑے سے فریم میں ایک تصویر سجی تھی۔اس تصویر میں دو چہرے تھے جن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں الو ہی چمک تھی۔عبیرہ کو وہ چہرے بہت جانے پہچانے لگے۔وہ چند قدم آگے بڑھی۔غیر متحرک آنکھیں تصویر پر جمی تھیں۔

تصویر میں ایک لڑکی تھی۔۔سرتاپا سجی۔۔سرخ جھلملاتے لباس میں۔۔اور اسکے برابر بیٹھا وہ دلکش مسکراہٹ اور گہری کتھئی رنگ آنکھوں والا نوجوان۔۔

وہ دونوں سرخ گلابوں سے سجی مسہری کے عین بیچوں بیچ اک دوسرے کے پہلو میں براجمان کیمرے کی جانب دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔وہ دونوں بے حد مسرور نظر آرہے تھے۔

عبیرہ نے اپنی آنکھیں سکیڑ کر تصویر کو از سر نو گھورا۔۔وہ پہچان گئی تھی۔ تصویر میں نظر آتے وہ دونوں وجود عبیرہ اور حیدر ہی تو تھے۔اور وہ سجی سجائی مسہری۔۔

اسنے چونک کر ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں۔وہ مسہری آج بلکل اداس تھی۔۔اسکے گرد لٹکتے پردے شکستہ ہوچکے تھے اور میلی سی چادر پر گرد کی تہہ دور سے بھی نظر آرہی تھی۔وہ سست قدم اٹھاتی کھڑکی کے قریب آئی۔دبیز پردے جو کبھی سفید رنگ کے ہوا کرتے تھے اب گرد کی تہوں کے باعث سرمئی ہو رہے تھے۔عبیرہ نے ایک جھٹکے سے پردے سرکائے۔گرد اڑی۔اس نے کھڑکی کے بند پٹ پر ہاتھ رکھا۔یہ کھڑکی پچھلے صحن میں کھلتی تھی۔اور سردیوں کی بارش وہ دونوں اکثر یہیں کھڑے ہوکر دیکھا کرتے تھے۔چائے کے مگ ہاتھ میں تھامے۔۔۔

حیدر کو رات کو بارہ بجے چائے پینے کی عادت تھی اور وہ شروع شروع میں اسکی اس عادت سے بے طرح اکتا جایا کرتی تھی مگر پھر آہستہ آہستہ اس نے حیدر کی ہر عادت، ہر پسند نا پسند، اچھائی برائی کو دل سے قبول کرلیا تھا۔اور صرف اسی نے نہیں حیدر نے بھی اسکو اسکی اچھائیوں اور برائیوں سمیت قبول کیا تھا۔وہ ایک دوسرے کے دکھ درد، تکلیفیں غم، خوشیاں مسرتیں سب کچھ شئیر کرتے تھے۔

عبیرہ نے کھڑکی کے پٹ پر زور ڈالا وہ بہت عرصے بند رہنے کی وجہ سے چوکھٹ میں جفت ہوچکا تھا۔اسنے ذراجھک کر اسکے کناروں کو غور سے دیکھا۔ چیونٹیاں قطار در قطار وہاں سے نکل کر دیوار کی جانب بڑھ رہی تھیں۔لکڑی کے فریم کو دیمک لگنا شروع ہوچکی تھی۔اسنے ایک طویل سانس لی اور کھڑکی کھولنے کا ارادہ ترک کرکے وہاں سے ہٹ آئی اور چلتی ہوئی پرانے طرز کے سنگھار میز کے سامنے جا رکی۔آئینہ گرد کے باعث دھندلا چکا تھا۔اسنے اپنی ہتھیلی کو آئینے کی سطح پہ پھیرا گرد ہٹی اور اسکا چہرہ واضح ہوگیا تھا۔وہ اجنبیت بھری نظروں سے اپنے عکس کو تک رہی تھی۔اور وہ خود کو پہچاننے سے قاصر تھی۔اسکی سیاہ آنکھوں کے گرد گہرے سیاہ حلقے پڑ چکے تھے، رنگت سنولا چکی اور تراشیدہ بات یہ لبوں کے کناروں پر جمی پپڑی اسکی پیاس کا پتہ دیتی تھی۔وہ اس نکھری نکھری عبیرہ کا تو سایہ بھی نہ تھی جس نے تقریبا چار سال قبل حیدر کے ہمراہ اس گھر میں قدم رکھا تھا۔وہ تو ایک ایسی تصویر کی مانند تھی جس کے رنگ اڑ چکے ہوں۔وہ بد دل سی ہوکر آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی۔اور دھیمی رفتار سے چلتی بستر تک آئی جھک کر اسکی چادر کو کونوں سے تھام کر اسے جھاڑا۔گرد اڑ کر اسکی آنکھوں کو دھندلا گئی تو وہ کھانستے ہوئے پیچھے ہٹ گئی۔اس کمرے کو تفصیلی صفائی کی ضرورت تھی۔

اس نے کمرے سے باہر آکر پانی پیا اور پھر لاؤنج میں ہی بیٹھ گئی۔اسکے اور ابو کے سوٹ کیسز ویسے ہی رکھے تھے۔وہ خالی خالی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتی

رہی۔اسکا دماغ بلکل خالی ہوچکا تھا۔وہ جیسے ایک اندھیرے کہف میں مقید تھی۔ یہ کہف در حقیقت محبت کی رہگزر تھی۔۔محبت وہ تاریک کہف ہے کہ جس میں ایکبار قدم دھر دینے کے بعد واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔۔یہاں سے واپسی کے لیے محبت سے مکرنا ضروری ہوتا ہے مگر یہ بھی سچ ہے کہ محبت سے مکرنے والے کو کبھی قلبی اطمینان نصیب نہیں ہوتا۔اسکی سوچوں کے تانے بانے الجھتے ہی جارہے تھے۔

مگر اطمینان تو مجھے محبت میں بھی نہیں مل رہا۔اسنے اپنے آپ سے شکوہ کیا۔

محبت تو حیات بخش ہے تمہیں جو بے سکون کیے ہوئے ہے وہ تعلق اور نسبت ہے۔۔عادت ہے۔۔محبت ان سب سے ماورا ہوتی ہے۔وہ خود اپنے روبرو تھی۔ اسنے اپنی جانب دیکھا۔وہ اسکا عکس بڑا ہی پرسکون اور شانت نظر آتا تھا۔عبیرہ نے اپنے الجھے بالوں میں انگلیاں چلائیں۔

ہم دونوں ایک زندگی شئیر کرتے تھے دکھ درد خوشیاں سب کچھ۔۔پھر کیسے یہ ممکن ہے کہ یہ درد میرے حصے میں آگیا۔کیوں نہ ہم دونوں نے اس درد کو بانٹ لیا جیسے ہمیشہ بانٹ لیا کرتے تھے۔ محبت میں تو لائف شئیر کی جاتی ہے ناں۔وہ خود سے جواب طلب تھی۔اسکے عکس کے ہونٹوں پر پراسرار سی مسکراہٹ ابھری۔

ہم جسے شئیرنگ کرنا کہتے ہیں ناں وہ تعلق اور نسبت کے تقاضے ہوتے ہیں۔

محبت ان سب سے ماوراء ہے، پرے ہوتی ہے۔ہاں چاہت تعلق کا حق تو یہی بنتا ہے کہ دکھ اور سکھ دونوں بانٹیں جائیں۔

جبکہ محبت تو بس حیات بخش ہے۔اسکے عکس نے نرم لہجے میں گہری بات کی۔

عبیرہ کچھ اور الجھی۔

حیدر کے بغیر جینا ممکن نہیں۔وہ میری زندگی کا سب سے خوبصورت احساس ہیں۔وہ بیچارگی سے گویا ہوئی۔

لیکن تمہاری زندگی کا سب سے خوبصورت احساس تم خود ہو۔تمہارے لیے تم ہی حقیقت ہو۔حیدر بس ایک آئینہ ہے تمہاری صفتِ آئینگی کو تم سے جانکاری دینے والا۔اسکے عکس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

عبیرہ نے تھک کر اپنا سر صوفے کی پشت سے ٹکا دیا۔وہ اپنی ہی آغوش میں سکون تلاشنے نکل گئی تھی کہ وہ اور حیدر الگ تو نہ تھے۔۔اسے حیدر کو اپنے اندر ہی کھوجنا تھا۔

میرے مسیحا

تیرے سفر میں ہوئی جو روشن

وہ صبحیں راتوں میں ڈھل گئیں ہیں

کہ تیرے خوابوں کی حدتوں سے

کسی کی آنکھیں ہی جل گئی ہیں

میرے مسیحا سے جاکے کہ دو

کہ درد اتنا سوا ہوا ہے

یہ نبض جیسے تھمی ہوئی ہے

یہ وقت جیسے رکا ہوا ہے

میرے مسیحا

سہارے جس کے کٹی ہے ہر شب

وہ آس سینے میں گھٹ رہی ہے

میرے مسیحا ! خبر بھی لو اب!

متاعِ جاں ہے کہ لٹ رہی ہے!

وہ لمحوں کی قید سے آزاد زمان و مکاں سے پرے جیسے خلاء میں تیر رہی تھی۔ نہ اسکا کوئی ماضی تھا نہ مستقبل۔۔وہ بس حال میں جی رہی تھی۔ابو اسکو واپس چلنے کا کہتے تو وہ ٹکر ٹکر انکی صورت تکتی رہتی۔ اسکے لیے اس گھر سے جانا

جیسے اپنے آپ سے دستبردار ہونے جیسا تھا اور انسان کے لیے سب سے مشکل کام اپنے آپ سے دستبردار ہونا ہوتا ہے۔عبیرہ ایک ایسے مسافر کی مانند تھی جس کی منزل کا نشان گم ہوگیا ہو وہ بے آب و گیاہ صحرا میں تن تنہا کھڑی سمت کا تعین کرنے کی کوشش میں ہلکان ہوئی جارہی تھی مگر جانے اسے کب اشارہ ملنا تھا۔۔

وہ دن بھر ایک ہی نقطے پر مرکوز رہتی کہ حیدر اسے سوچتا بھی ہوگا یا نہیں وہ اسے بھول تو نہیں چکا ہوگا اور وہ جانے ہوگا کہاں۔۔۔یہ سارے سوال اسے بے چینی میں مبتلا کیے رکھتے تھے۔وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ حیدر نے اپنی روح کو اسکی روح سے کب الگ کیا۔کب اپنی راہ الگ سے متعین کرلی۔۔وہ اسکے بغیر کیسے رہ سکتا ہے۔۔وہ تو اسکے بغیر جی نہیں پارہی تو وہ کیسے جی رہا ہے۔۔کیسے خوش ہے۔۔

عبیرہ اسے تلاش کرنا چاہتی تھی۔ایک بار اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ آخر کیوں کیا اس نے ایسا۔۔

مگر وہ کہاں تلاش کرتی اسے کہ اسکے پاس تو اپنے ہرجائی کا کوئی نشان تک نہ تھا۔

میں بھی اب خود سے ہوں جواب طلب

وہ مجھے بے سوال چھوڑ گیا۔

بیٹا پھر کیا سوچا ہے تم نے؟ آخر کب تک یوں بے مقصد زندگی گزاروگی؟ ابو نے اس سے پوچھا۔

عبیرہ نے گہری سانس لی۔

کوئی مقصد بھی تو نہیں سوجھتا ناں ابو۔وہ کہہ نہ سکی تھی بولی تو بس اتنا آپ گاؤں واپس چلے جائیں ابو۔

تمہیں چھوڑ کر کیسے چلا جاؤں بیٹا؟

میں اکیلی رہ لوں گی ابو آپ فکر مت کریں۔وہ رسان سے بولی۔

نہیں بیٹا تم بس میرے ساتھ واپس چلو اب۔یہاں رہنے کا کیا فائدہ۔ حیدر نے اگر آنا ہوتا تو اب تک آچکا ہوتا۔بہت وقت گزر گیا ہے بیٹا وہ تمہیں بھول بھی چکا ہوگا۔کیا خبر اسنے دوسری شادی کرلی ہو۔ خوش ہوگا وہ اپنی زندگی میں۔ابو نے اسکے سامنے حقیقت کا آئینہ رکھنا چاہا مگر وہ تڑپ کر رہے گئی۔کچھ بھی کہے بغیر وہ گھر کے عقبی حصے میں چلی آئی۔اور اپنے جھولے پر جابیٹھی۔ اسنے بارہا یہ باور کرنے کی کوشش کی تھی کہ حیدر بے وفا ہے اور بے وفا کے لیے رونے کی کوئی ضرورت نہیں مگر ہر بار اس سوچ کا تسلسل ٹوٹ جاتا اور ایک آواز اسکی سماعتوں کو چھو جاتی۔

تم اور میں ایک ہی ہیں عبیرہ، ہمارے درمیان دوئی ممکن ہی نہیں۔

وہ ٹھہر جاتی رک جاتی۔۔پھر سے ایمان لے آتی اور از سر نو حیدر کا انتظار کرنے لگتی۔

کیف سے سرشار رہنا

!!!اور کہنا الاحد

زخمِ دل پہ رکھ کر

مسکرانا عشق ہے۔۔۔

عبیرہ نے سر اٹھا کر اس فلک بوس عمارت کو دیکھا اور تھوک نگل کر رہ گئی۔

سو روپے ہوگئے بی بی۔رکشے والے نے اسے پکارا تو وہ چونکی اور پھر سر جھکا کر اپنے چھوٹے سے پرس میں سے سو روپے نکال کر رکشے والے کو تھمائے۔

مہربانی۔وہ ممنون انداز میں کہہ کر رکشہ بھگا لے گیا۔

عبیرہ نے سر پر چادر درست کی اور گہری سانس بھر کر عمارت کے داخلی دروازے کی جانب بڑھی۔اس بڑی سی عمارت میں بہت سی کمپنیوں کے دفاتر تھے اس نے ریسپشن سے مطلوبہ کمپنی کی بابت دریافت کیا اور پھر جواب مل جانے پر شکریہ ادا کرکے لفٹ کی جانب بڑھ گئی۔وہاں اس وقت بلکل رش نہ تھا۔وہ لفٹ میں سوار ہوگئی۔

کونسے فلور پر جائینگی میڈم؟ لفٹ آپریٹر نے مؤدبانہ انداز میں پوچھا۔

ففتھ۔ایک حرفی جواب دیکر وہ از سر نو متفرق سوچوں میں گھر گئی۔چند ہی سیکنڈز بعد لفٹ پانچویں منزل پر رکی تو وہ پراگندہ ذہن لیے باہر نکلی۔اسکی نظروں کے عین سامنے شکیل انٹرپرائزرز کا بورڈ جگمگا رہا تھا۔اور شیشے کی دیوار کے اس پار دفتر میں سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول دکھائی دے رہے تھے۔عبیرہ کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑنے لگے۔وہ پہلی بار گھر سے اکیلے اتنی دور چلی آئی تھی۔اسکی گھبراہٹ فطری تھی۔وہ ہمت مجتمع کرکے شیشے کے دروازے کے پاس رکی اور ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر دروازے کو دھکیلا، وہ کھلتا چلا گیا۔وہ اندر داخل ہوئی۔کوئی بھی اسکی جانب متوجہ نہ ہوا تھا۔وہ ریسپشن ڈیسک کی جانب آئی جہاں ایک خوش وضع لڑکی مدھم سی خیر مقدمی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے آنے جانے والوں کی جانب متوجہ ہوئی۔

جی میم آپ کو کس سے ملنا ہے ؟ اسنے اپنی باریک سی آواز میں عبیرہ سے دریافت کیا۔وہ کچھ کنفیوژن کا شکارہوئی ہاتھ کپکپانے لگے۔

وہ۔۔میں۔۔آپکی کمپنی میں ایک ایمپلائے تھے حیدر ذیشان۔۔میں انکی وائف ہوں۔اسنے ہمت مجتمع کرکے بمشکل تمہید باندھی۔ریسپشنسٹ کے چہرے سے فارمل سی مسکراہٹ آن واحد میں غائب ہو گئی اور آنکھوں میں شناسائی جھلکیاں مارنے لگی۔

اوہ تو تم حیدر کی وائف ہو۔اسکا طرز تخاطب بدلا۔

جی۔

چلا گیا وہ دوبئ؟ اسنے بھنویں اچکا کر معنی خیز مسکراہٹ کیساتھ پوچھا۔

جی۔۔وہ کچھ الجھی۔

واپس نہیں آیا ابھی تک؟ اس نے ایک اور سوال داغا۔

جی نہیں۔۔وہ جوابا رک رک کر بولی۔

مجھے پہلے ہی پتہ تھا ایک بار وہ چلا گیا تو پھر واپس نہیں آنے والا۔وہ آنکھیں بھینچ کر محظوظ ہونے والے انداز میں بولی۔عبیرہ کو اسکا لہجہ و انداز حد درجہ عجیب لگے۔

کیا مطلب؟

مطلب وطلب چھوڑو تم سناؤ ادھر کیسے آنکلیں؟ کیا حیدر نے اتنے پیسے بھیج دیئے کہ سب کے ادھار چکا سکو؟ اب وہ اپنے رنگے ہوئے چمکیلے دراز بالوں کو ایک ادا سے سنوارتے ہوئے شان بے نیازی سے پوچھ رہی تھی۔عبیرہ کی الجھن کچھ اور بڑھی۔

ادھار۔۔

یس۔۔ادھار۔تمہیں نہیں پتہ ادھر آفس میں ایسا کوئی نہیں جس سے حیدر نے

ادھار نہ پکڑا ہو میرے خیال میں تو اس نے چائے والے کے بھی سو دو سو تو دینے ہی ہیں۔اور باقیوں کو چھوڑو اس نے تو مجھ سے پورے پچیس ہزار لیے تھے کہا تھا باہر جاکر لوٹا دے گا۔ویسے مجھے امید تو نہیں تھی کہ وہ پیسے بھیجے گا مگر اب جب تم آگئی ہو تو میں پورے سٹاف کو خوشخبری سنادیتی ہوں۔ہیلووو ایوری ون ادھر متوجہ ہوں۔وہ اپنی سی کہتے ہوئے بآواز بلند بول اٹھی۔اپنے اپنے ڈیسک پر کاموں میں مصروف مرد و زن اسکی جانب متوجہ ہوگئے۔عبیرہ کے ہاتھ کپکپانے لگے۔

یہ مسز حیدر ذیشان ہیں اور حیدر نے انکو یہاں بھیجا ہے ہم سب کے پیسے لوٹانے کے لیے۔اس نے سب کو اطلاع دی۔عبیرہ کے اوسان خطا ہونے لگے۔

اوہ واؤ۔۔

یہ سورج آج مغرب سے تو نہیں نکلا۔

کمال ہی ہوگیا۔۔

بھانت بھانت کی آوازیں گونجنے لگیں، عبیرہ کے لیے وہاں رکنا محال ہوگیا۔

وہ سب ہی کچھ نہ کچھ کہہ رہے تھے ہنس رہے تھے وہ وحشت زدہ سی ہوتی سرعت سے مڑی اور تیز قدموں سے چلتی آفس سے باہر نکل آئی۔پھر لفٹ کے ذریعے سے نیچے اور پھر عمارت سے باہر آنے تک وہ جیسے اپنے ہوش و حواس میں نہ تھی۔سڑک کنارے رک کر اس نے اپنے ارد گرد نگاہ دوڑائی

ٹریفک کا اک سیل رواں تھا جو سڑک پر بہتا جارہا تھا۔وہ فٹ پاتھ پر بے سمت چلنے لگی۔اسکی آنکھیں خشک اور ویران تھیں ذہن میں جیسے جھکڑ چل رہے تھے۔وہ کسی ایسے مسافر کی مانند تھی جس کی منزل کھو گئی ہو۔چلتے چلتے وہ تھک کر سڑک کنارے فٹ پاتھ پر بیٹھ گئی۔ٹریفک کا شور بھی اسکے اندر پھیلی خاموشی کو ختم کرنے سے قاصر تھا۔زندگی نے اسے عجیب دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا۔وہ جو محبتوں پر ایمان رکھنے والی لڑکی تھی اب شدت سے ذہنی انتشار کا شکار تھی۔اسکا دل حیدر کے حق میں گواہی دیتا تو ذہن اسے بے وفا گردانتا۔وہ ہر روز دلیلیں جوڑتی اور خود کو مطمئن کرتی کہ حیدر بے وفا نہیں۔مگر روز ہی کوئی نیا انکشاف ہوتا اور اسکا یقین متزلزل ہوجاتا۔اور آج کے انکشاف نے تو اسے گنگ کردیا تھا۔اسنے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا کہ حیدر اس قدر دھوکے باز اور پیسے کے پیچھے بھاگنے والا انسان ہو سکتا ہے۔وہ الجھ رہی تھی، سارے حالات حیدر کے مخالف تھے بس ایک اسکا دل تھا جو کہتا تھا کہ اسکا محبوب دھوکے باز نہیں دل کے پاس دلیل نہ تھی بس احساسات کا طوفان تھا۔حیدر صرف اسکا شوہر نہ تھا وہ دونوں اک دوسرے کے روح کے ساتھی تھے۔۔وہ کیسے مان لیتی کہ اسکی روح نے بھی اس سے جھوٹ بولا۔۔زبان تو جھوٹ کہہ سکتی ہے مگر روح تو ایک دم شفاف ہوتی ہے۔۔سچائی میں گندھی۔۔اسنے اپنا سر گھٹنوں پہ رکھ لیا۔ٹریفک چنگھاڑ رہی تھی اس کے ارد گرد اڑتی گرد اسکے لباس کو آلودہ کر رہی تھی مگر اسے کب پرواہ تھی۔۔وہ تو محبت کے مدار سے نکل کر جیسے

کشش ثقل سے آزاد ہو گئی اور محبت ہی تو وہ قوت ہے جو ہمیں ایک مدار میں گھومنے رہنے پر راضی رکھتی ہے جہاں محبت کا ساتھ چھوٹا ہم خلاء میں چکراتے پھرتے ہیں بے سمت، بے وجہ۔۔

اور یہ بے سمت و بے وجہ کی گردش ہمیں کیسا تھکا دیتی ہے کہ وجود شل ہوجاتا ہے۔۔مگر اس گردش کو روکنا ہمارے بس میں بھی تو نہیں ہوتا۔۔

عبیرہ کا وجود بھی شل ہورہا تھا اسکی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب ہوتی جارہی تھی۔وہ جس مدار میں گھوم رہی تھی اسکا مرکز ہی کہیں کھو گیا تھا وہ مرکز جو اسے اپنی جانب کھینچتا تھا۔وہ اس مدار میں رہنا چاہتی بھی تھی مگر بناء مرکز کے مدار کیسا۔۔۔

وہ کس سے پوچھتی، کون اسے بتاتا کہ جو منفی باتیں اسے حیدر کے متعلق معلوم ہوئی ہیں وہ جھوٹ ہیں، نظر کا دھوکا ہیں۔۔اسکے دل کے سوا کوئی گواہ نہ تھا اور اس گواہ کے پاس کوئی ثبوت کوئی دلیل نہ تھی۔۔بس کچھ خوشگوار لمحے تھے۔۔کچھ یادیں تھیں۔۔کہ جب اسکے محبوب شوہر نے اس سے روح کا اک اٹوٹ تعلق جوڑا تھا۔۔وہ اکثر کہتا تھا

محبت نہیں ہے تم سے۔۔

اور وہ اسکے ہاتھوں کی گرفت سے اپنے ہاتھ چھڑوا کر اسے مشکوک نظروں سے گھورنے لگتی۔

پھر ؟ ماتھے پہ بل ڈالے پوچھتی تو وہ اسکے بالوں کو سہلاتے ہوئے مسکراتا۔۔ بھوری آنکھوں کی چمک بڑھتی۔

پتہ نہیں کیا ہے۔بس اتنا پتہ ہے کہ محبت نہیں ہے اور جو ہے وہ سمجھ نہیں آتا۔اپنی بات مکمل کرکے وہ اس سے رخ موڑ کر لیٹ جاتا۔عبیرہ کچھ دیر الجھن آمیز انداز میں اسے گھورتی رہتی پھر اسکا شانہ ہلاتی۔

!حیدر

بولو اسکا لہجہ کھردرا ہوتا تو وہ بجھ سی جاتی۔

کچھ نہیں۔مرجھائے ہوئے چہرے کیساتھ جواب دیکر وہ چپ چاپ رخ موڑ کر لیٹ جاتی۔

چند ہی ثانیے بعد وہ اسے شانوں سے تھام کر اپنے روبرو کرتا۔

کیا ہوا ہے جانم؟ وہ لگاوٹ سے پوچھتا تو اسکی آنکھیں چھلک اٹھتیں۔اور وہ بے قرار ہو جاتا۔

رونا نہیں پلیز۔

تو آپ کیوں اسطرح بات کرتے ہیں۔وہ رندھی ہوئی آواز میں پوچھتی تو وہ اسکی آنکھوں میں جھانک کر نرمی سے پوچھتا۔

کیسے؟

اتنی لاپروائی سے۔ ہتھیلی کی پشت سے آنسو پونچھتے ہوئے وہ شکایتی انداز میں کہتی تو وہ مسکرا اٹھتا۔

ہر گز نہیں جاناں۔۔بس یونہی تنگ کرتا ہوں تمہیں۔اسکا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر وہ پیار سے کہتا تو وہ خفا خفا سے انداز میں اسکے ہاتھ جھٹک دیتی۔

اے خفا کیوں ہوتی ہو؟ وہ اسکی خفگی سے محظوظ ہوتا۔

آپکو کیا۔

بلکل مجھے کیا۔وہ اپنی ازلی بے مروتی پہ اتر آتا۔

آپکو تو مجھ سے محبت بھی نہیں ہے۔

بلکل نفرت ہے تم سے شدید قسم کی۔وہ شرارت سے جگر جگر کرتی آنکھوں کیساتھ جواب دیتا تو عبیرہ اسے گھور کر رہ جاتی اور وہ ہنستے ہوئے اسکے دونوں ہاتھ اپنی مضبوط گرفت میں لیکر سرگوشی کرتا۔

تم سے محبت نہیں ہے کیونکہ تم سے تو عشق ہے جاناں۔محبت تو آزاد ہوتی ہے یہ عشق ہی ہے جو قید کرلیتا ہے جیسے تم نے مجھے قید کرلیا ہے تم سے الگ ہوا تو دم نکلے گا اب۔۔اسکے لہجے میں کیسی سچائی ہوتی تھی کہ وہ ڈوب جاتی۔ کھو جاتی۔۔

یکدم وہ چونکی، کسی گاڑی کے ہارن کی آواز جیسے کان پھاڑ رہی تھی۔عبیرہ نے

سر اٹھایا اور ادھر ادھر دیکھا۔ٹریفک جام ہوچکی تھی اور گاڑیوں کے ہارن چنگھاڑ رہے تھے۔عجلت سے بھرے لوگوں کے لیے ایک لمحے کا انتظار بھی گراں تھا۔ وہ اٹھی اور سڑک پار کر گئی۔

ہم وہ بے منزل مسافر ہیں جنہیں ہر حال میں،

ہم سفر رکھا گیا اور بے نوا رکھا گیا۔۔

کدھر گئی تھی بیٹا؟ وہ جیسے ہی گھر پہنچی تو ابو سے سامنا ہوگیا۔اسنے تھکی تھکی سی سانس خارج کی۔

حیدر کے آفس تک گئی تھی۔مدھم لہجے میں جواب دے کر وہ برآمدے کی جانب بڑھ گئی۔ابو اسکے پیچھے تھے۔

کیوں گئی تھی اسکے آفس؟ کیا ملا ادھر جاکر تجھے؟ انہوں قدرے بلند آواز میں پوچھا وہ وہیں برآمدے میں رکھی کرسیوں میں سے ایک پہ بیٹھ گئی۔

بس یہ یقین کرنے گئی تھی کہ کیا حیدر سچ میں وہیں کام کرتے تھے یا یہ بھی جھوٹ ہی تھا۔اسنے ہنوز مدھم لہجے میں جواب دیا۔

ابو کمر پہ ہاتھ رکھے برآمدے کے اسٹیپ طے کرکے اسکے سامنے آبیٹھے۔

اگر وہ وہاں کام کرتا بھی تھا تو ہمیں اس سے کیا غرض بیٹا۔اب حیدر کا ہم

سے کیا تعلق ہے۔

تعلق تو بہت گہرا ہے ابو میں آج بھی انکے نکاح میں ہوں۔تعلق تو بہت گہرا ہے۔اسکے لہجے میں یاسیت در آئی۔

یہ نکاح کی بیڑیاں بھی تم نے خود ہی اپنے پیروں میں ڈال رکھی ہیں اب تک۔ورنہ ہم نے تو کتنا کہا کہ کورٹ سے خلع حاصل کی جاسکتی ہے۔ایک ایسا انسان جس کی کوئی خبر ہی نہیں اسکے نام پہ بیٹھنا کہاں کہ عقلمندی ہے۔

ابو مجھے خلع نہیں لینی۔میں اپنی زندگی کے آخری لمحے تک بھی حیدر کا انتظار کرونگی۔وہ ترشروئی سے بولی۔

کیوں اپنی زندگی داؤ پہ لگاتی ہے پگلی۔دفع کر اسکو۔وہ تھا ہی بد ذات۔ابو نے اپنا پسندیدہ جملہ دہرایا۔عبیرہ اٹھ کھڑی ہوئی اور کوئی بھی جواب دیئے بناء اندر کی جانب بڑھ گئی۔

ابو نے اپنا سر ہاتھوں پہ گرا لیا۔

بد ذات۔۔۔عبیرہ نے لبوں ہی لبوں میں دہرایا پھر نفی میں سرہلانے لگی۔

میرا محبوب بے وفا نہیں ہے۔۔۔بدذات نہیں ہے۔اسکی ضرور کوئی مجبوریاں ہونگی۔اگر اسکی مجبوریاں نہ ہوتیں تو وہ کبھی بھی میرے بغیر اتنا وقت نہیں بتا

سکتا تھا۔اسکا دل اسکے حق میں دلیلیں دینے لگا اور وہ ان دلیلوں سے مطمئن ہو کر پھر سے گھر کے کاموں میں مصروف ہوگئی اسی روز شام کو وہ گھر کے لیے کچھ سودا سلف خریدنے قریبی یوٹیلیٹی اسٹور تک گئی تھی جب اسکی مڈبھیڑ حیدر کے آفس کی رسپیشنسٹ سے ہوگئی۔

وہ اسے دیکھ کر تیر کی طرح اسکے پاس چلی آئی۔

اے تم تو وہی ہو ناں حیدر کی وائف۔اسنے اپنی باریک سی آواز میں پوچھا۔

عبیرہ نے گہری سانس بھر کر سر اثبات میں ہلادیا۔

کیسی ہو یار؟ کل تو تم اچانک ہی چلی گئی تھیں۔وہ بے تکلفی سے پوچھ رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جی۔کیونکہ آپ لوگ جو سمجھ رہے تھے ویسا نہیں ہے۔میں تو خود حیدر کی تلاش میں ہوں۔اسنے سر جھٹک کر جواب دیا تو اس لڑکی کی آنکھوں میں حیدر کے سایے لہرائے۔

تلاش میں ہو۔کیا مطلب؟ اسنے نرم لہجے میں پوچھا تو عبیرہ کی پلکوں پہ نمی اترنے لگی۔

حیدر دو سال قبل دوبئ گئے تھے اسکے بعد کچھ عرصے انہوں نے مجھ سے رابطہ رکھا اسکے بعد سے اچانک یہ سلسلہ رک گیا اور اب تک انکا کچھ اتہ پتہ نہیں۔اسنے ایک ہی سانس میں سوچ کچھ بتادیا۔اس لڑکی کے چہرے سے

مصنوعیت لیے ہوئے تاثرات بلکل ہی ختم ہوگئے اور اب وہ ایک ہمدرد لڑکی نظر آنے لگی تھی۔

اوہ۔۔۔سو سیڈ۔وہ بے اختیار بولی۔آئم سوری یار مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم اتنی پریشان ہو۔خیر آؤ سامنے ریسٹورنٹ میں کافی پیتے ہیں۔اس نے دوستانہ انداز میں کہا تو عبیرہ انکار نہ کر سکی۔کچھ دیر بعد وہ دونوں ریسٹورنٹ میں آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔انکے سامنے میز پہ رکھی پیالیوں سے بھاپ اڑ رہی تھی۔

حیدر کو بہت سا پیسہ کمانے کا کریز تھا ایک ہی جست میں چاند کو چھونے کی خواہش۔سائرہ بولی۔اس لڑکی نے اسے اپنا یہی نام بتایا تھا۔

حالانکہ وہ ایک قابل لڑکا تھا محنت اور لگن سے کام کرتا رہتا تو ضرور ایک دن وہ سب پالیتا جو وہ چاہتا تھا۔مگر پتہ نہیں اسے کیا جلدی تھی۔اسنے خاموش ہوکر سامنے رکھی پیالی سے ایک گھونٹ بھرا۔عبیرہ کی پیالی اب تک جوں کی توں رکھی تھی اس نے اسے ہاتھ تک نہ لگایا تھا۔بس ایک ٹک سائرہ کی جانب دیکھ رہی تھی یوں جیسے اسے مزید سننا چاہتی ہو۔

میرے ساتھ اسکی کافی دوستی تھی۔وہ اکثر تمہارا ذکر بھی کرتا تھا۔اور اسکی خواہش تھی کہ وہ تمہیں دنیا کی ہر آسائش مہیا کرے۔بولتے بولتے وہ سر جھٹک کر رہ گئی۔عبیرہ کا دل ڈوب کے ابھرا۔

تم سے بہت محبت کرتا تھا وہ کہتا تھا کہ میری بیوی میری روح کی ساتھی ہے۔

سائرہ کے ہونٹوں کو نرم سی مسکان نے چھوا۔عبیرہ کی پلکوں پہ نمی اترنے لگی۔ اسکا محبوب بے وفا نہیں تھا۔۔اسکی محبت یکطرفہ نہ تھی۔۔۔

میں نے اسے بہت سمجھایا تھا کہ جاب چھوڑ کر دوبئ جانا حماقت ہے مگر اسکے سر میں تو سودا سمایا ہوا تھا کہ اسے ہر قیمت پہ جانا ہی ہے۔کراچی میں اسکا ایک دوست ہوتا ہے سلیم اسی کے توسط سے گیا تھا وہ۔سائرہ نے اسکی معلومات میں اضافہ کیا تو وہ چونک گئی۔

مگر حیدر نے مجھے یہ سب کبھی نہیں بتایا۔

اللہ جانے کیوں نہیں بتایا تمہیں۔اسنے کندھے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کیا۔

کراچی میں انکے وہ دوست کدھر رہتے ہیں؟ اسنے چند لمحوں بعد پوچھا۔

یار مجھے ایگزیکٹ ایڈریس تو نہیں پتہ۔بس اتنا پتہ ہے کہ اسکی ایک ٹریولنگ ایجنسی ہے سلیم ٹریولز کے نام سے۔اسنے جواب دیا تو وہ بس سر ہلا کر رہ گئی۔ اسکی تاریک راہوں میں روشنی کی اک کرن جگمگائی تھی۔

اسی روز رات کو اسنے گوگل میپ پر سلیم ٹریولز کی لوکیشن کا سراغ لگانا چاہا اور اسے زیادہ تردد نہ کرنا پڑا تھا۔سلیم ٹریولز کا دفتر جمال الدین افغانی روڈ پر تھا۔ اسنے اگلے روز ہی رخت سفر باندھنے کا سوچا اور ابو کے پاس چلی آئی۔

ابو میں کراچی جارہی ہوں۔اسنے بلا تمہید کہا تو ابو جو آرام سے بیٹھے ٹی وی دیکھ

رہے تھے چونک کر سیدھے ہو بیٹھے۔

کیا مطلب کیوں جارہی ہو کراچی؟ تمہارا کراچی میں کیا کام؟ انہوں نے ایک ساتھ سوال کر ڈالے تھے۔عبیرہ اسطرح کے سوالات کے لیے ذہنی طور پر تیار تھی سو پرسکون انداز میں گویا ہوئی۔

حیدر کے ایک دوست سے ملنا ہے جس کے توسط سے وہ دوبئ گئے تھے۔اسکے جواب کو سن کر ابو کے چہرے پر برہمی کے آثار ابھرے۔

حیدر گیا بھاڑ میں۔تم آج ہی میرے ساتھ واپس گاؤں چلو۔بس بہت ہوگیا یہ حیدر نامہ۔وہ اپنی نشست سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

ابو جی مجھے کراچی جانا ہے۔وہ ایک ایک لفظ پہ زور دے کر بولی۔اسکی آنکھوں میں سنگلاخیت تھی۔

عبیرہ مجھے سختی پہ مجبور نہ کرو۔غضب خدا کا دو سال گزر گئے اور تمہارے سر سے حیدر کے نام کا بھوت اترنے پہ نہیں آرہا۔ایسے کونسے سرخاب کے پر لگے ہوئے تھے اس ناہنجار میں کہ تم یوں پاگل ہوئی جارہی ہو۔وہ سخت جھنجھلا چکے تھے۔

وہ میرے شوہر ہیں۔وہ جوابا پرسکون لہجے میں بولی۔

شوہر گیا جہنم میں۔دو سالوں سے غائب ہے وہ۔دھوکے باز فراڈیا۔۔شوہر۔۔۔

ہنہہ تھوکتا ہوں میں ایسے شوہر پر جو بیوی کو چھوڑ کر بھاگ جائے۔

ابو میں فیصلہ کرچکی ہوں مجھے حیدر کو تلاش کرنا ہے آپ کو اگر واپس گاؤں جانا ہے تو آپ چلے جائیں۔مگر میں واپس نہیں جاؤنگی۔میں شادی شدہ ہوں خود مختار ہوں سو آپ کی ذمے داری نہیں ہوں۔آپ میرے لیے فکر مند مت ہوں۔میں اپنا اچھا برا سمجھتی ہوں۔وہ فیصلہ کن انداز میں جواب دے کر وہاں رکی نہیں تھی بلکہ پلٹ کر کمرے سے چلی گئی ابو اسے آوزیں ہی دیتے رہ گئے۔

کراچی پہنچ کر سلیم ٹریولز کے آفس تک پہنچنے میں اسے زیادہ دقت کا سامنا نہ کرنا پڑا تھا۔ٹیکسی نے اسے عین سلیم ٹریولز کے دفتر کے سامنے اتارا۔وہ اپنا چھوٹا سا سفری بیگ ہاتھ میں پکڑ دفتر کی جانب بڑھی۔یہ ایک بڑا سا پلازہ تھا جس میں بہت سے دفاتر تھے، گراؤنڈ فلور پر ہی پہلا دفتر سلیم ٹریولز کا تھا۔وہ شیشے کا دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی۔ایک کمرے پر مشتمل دفتر میں ایک بڑی میز رکھی تھی جس کے اس پار ایک انتہائی پتلا دبلا منحنی سا پینتیس چھتیس سالہ مرد بیٹھا کسی فائل پہ جھکا ہوا تھا جبکہ اسکے عقب میں بنے ریکس میں بہت سی فائلز ترتیب سے رکھی تھیں۔پورے کمرے میں سگریٹ اور کاغذوں کی ملی جلی خوشبو چکرا رہی تھی۔آہٹ پہ اس آدمی نے سر اٹھایا پھر اسے دیکھ کر قدرے چونکا پھر چشمہ از سر نو ناک پہ جما کر اسے سرتاپا گھورا۔

اگر میری آنکھیں دھوکا نہیں کیا رہیں تو آپ مسز حیدر ذیشان ہیں؟ وہ ذہن پر زور دیتے ہوئے آنکھیں سکیڑے پوچھ رہا تھا۔عبیرہ کی جان میں جان آئی اس نے جلدی سے سر ہلادیا۔

آیئے آیئے۔تشریف رکھیئے بھابی دیکھیں میں ایک نظر میں پہچان گیا داد دیجیئے میری یادداشت کی۔وہ اپنی نشست سے اٹھ کر خوش اخلاقی سے لہک کر بولا۔ عبیرہ مسکراتے ہوئے ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی اور بیگ اپنے پیروں کے پاس رکھ لیا۔

میں حیدر کا دوست ہوں سلیم۔اس نے اپنا تعارف کروایا۔

جی جی میں جانتی ہوں۔عبیرہ جلدی سے بولی۔

اچھا کیا لیں گی آپ؟ وہ خوش اخلاقی کے عروج پر تھا۔

کچھ بھی نہیں۔وہ پھر مسکرائی۔

ارے ایسے کیسے۔پہلی بار آئی ہیں آپ۔میں چائے کا کہہ کے آتا ہوں۔وہ تیز تیز بولتے ہوئے دفتر سے باہر نکل گیا۔عبیرہ اپنے ذہن میں وہ جملے ترتیب دینے لگی جن میں اس نے سلیم سے اپنا مدعا بیان کرنا تھا۔

ہوں۔۔اسکی ساری کتھا سننے کے بعد سلیم نے ایک طویل ہنکارا بھرا۔

میز پر رکھی سرمئی رنگ کی چھوٹی چھوٹی پیالیوں سے بھاپ اٹھ رہی تھی اور چھوٹی سی پلیٹ میں رکھے سموسوں پر ہرے رنگ کی چٹنی ڈال کر انہیں سپائسی بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔

دیکھیں بھابھی ہوا کچھ یوں تھا کہ حیدر بہت جلد جانا چاہتا تھا مگر جانے کیوں اسکے ویزا میں تاخیر ہورہی تھی اسنے بہت سر مارا کہ اسے کسی یورپی ملک کا ویزا مل جائے مگر کامیابی نہ ہوسکی۔اس نے بہت پیسہ برباد کیا مگر حاصل کچھ نہ ہوا۔تھک ہار کر اس نے ایک روز مجھ سے رابطہ کیا۔میں نے اسے دوبئ جانے کا مشورہ دیا کیونکہ میرا اپنا بھی یہی کام ہے ہم یو اے ای کے ویزا لگواتے ہیں سو میں نے حیدر کو یہ مشورہ دے ڈالا۔اور وہ فورا راضی بھی ہوگیا اسکے پاس پیسے بھی اتنے ہی تھے کہ وہ دوبئ ہی جاسکتا تھا۔خیر اسکا ویزا بھی فورا لگ گیا اور وہ دوبئ چلا گیا۔اسکے بعد اس نے کچھ عرصہ مجھ سے رابطہ رکھا وہ وہاں ایک شیخ کے کسینو میں کام کرتا تھا۔پھر ایک دن اس نے مجھے بتایا کہ اس کے لیے یہاں گزر بسر بہت مشکل ہوتا جارہا ہے کسینو کی نوکری بھی وہ ترک کرچکا تھا کیونکہ اسے وہ حرام کی کمائی لگتی تھی۔میں نے اسے سمجھایا کہ جیسے تیسے جو بھی کام ملے کرلو اور کچھ پیسے جمع کرکے لوٹ آؤ۔بس اسکے بعد اس نے مجھ سے کوئی رابطہ نہ کیا۔سلیم نے خاموش ہوکر چائے کی پیالی سے ایک گھونٹ بھرا۔

وہ گئے کہاں۔مجھے انکی بہت فکر ہے سلیم بھائی۔عبیرہ نے متفکرانہ لہجے میں کہا۔

اللہ جانے بھابھی۔وہ تو اچانک ہی غائب ہوگیا تھا۔

میں انہیں کہاں تلاش کروں سلیم بھائی؟ اس نے بیچارگی سے پوچھا۔

میں کیا کہہ سکتا ہوں بھابھی۔اتنا وقت گزر چکا ہے جانے اب وہ کہاں ہو۔سلیم نے شانے اچکائے۔

حیدر کی سٹیٹ آف مائنڈ کو میں کبھی نہیں سمجھ سکا بھابی وہ اچھی بھلی نوکری کر رہا تھا مگر پتہ نہیں کیا چاہتا تھا۔راتوں رات امیر بھی ہونا چاہتا تھا اور حلال بھی کمانا چاہتا تھا۔اب راتوں رات امیر ہونے کے لیے حلال و حرام کی تخصیص کو تو فراموش کرنا ہی پڑتا ہے۔دوبئ جاکر بھی اسکے رستے کی سب سے بڑی رکاوٹ اسکی دماغی ٹیڑھ ہی رہی۔کسی بار یا کسینو کی نوکری اسے حرام رزق لگتا اور کوئی حلال نوکری اسے مل نہیں رہی تھی ماسوائے اسکے کہ وہ کسی شیخ کے گھر کی صفائی ستھرائی کا کام کرنے لگتا یا پھر مزدوری کرتا اور یہ دونوں ہی کام اسے اپنی شان کے لائق نہ لگتے تھے۔میں تو سمجھ ہی نہیں پایا کہ وہ آخر چاہتا کیا تھا۔سلیم نے رک کر سگریٹ سلگائی۔عبیرہ ملول سی ہونے لگی۔

میں انہیں کہاں تلاش کروں آخر؟ اس نے بیچارگی سے پوچھا۔

تلاش کرکے کیا ملے گا آپکو بھابھی میں تو کہتا ہوں دفع کریں اسکو اور اپنی زندگی نئے سرے سے شروع کریں۔اسکو اگر آنا ہوتا تو آچکا ہوتا۔سلیم نے بھی وہی بات دہرا دی جو سب ہی کہا کرتے تھے۔عبیرہ کے دل نے ایک طویل

نہیں کی ہانک لگائی۔

آپ مجھے یہ بتائیں کہ دوبئ جانے پر کتنے اخراجات آتے ہیں؟ اسنے اسکی بات نظرانداز کرکے پوچھا۔سلیم نے شانے اچکائے اور اسے تفصیلات سے آگاہ کرنے لگا۔

کیا حاصل ہوا اتنی خواری سے تمہیں؟ ابو نے برا سا منہ بناکر پوچھا۔

کچھ حاصل کرنے تو نہیں گئی تھی ابو۔ میں تو سراغ پانے گئی تھی۔اسنے چائے کا گھونٹ بھر کے مدھم اور پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

تو پھر مل گیا سراغ؟ انہوں نے کچھ طنزیہ انداز میں پوچھا۔

وہ دوبئ میں ہی ہیں۔میں انکو تلاش کرنے وہاں جاؤنگی۔اس کی بات سنتے ہی ابو جیسے اپنی نشست سے اچھل پڑے۔

تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہوگیا۔ اتنی دور اکیلی جاؤگی۔اور اب وہ تمہیں کہاں ملے گا جانے کدھر مر کھپ چکا ہوگا۔وہ سخت جھنجھلا چکے تھے۔

وہ زندہ ہیں ابو۔وہ تڑپ کر بولی

ہمارے لیے تو مر ہی چکا ہے۔

آپ سب کے لیے مر چکے ہونگے مگر میرے لیے نہیں۔میں انکو تلاش کرکے

رہوں گی۔اسنے حتمی لہجے میں کہا۔

کیوں اپنی زندگی برباد کر رہی ہے بیٹا۔ابو نے جیسے تنگ آکر پوچھا۔

زندگی تو برباد ہوچکی ہے ابو۔اب تو بس جئے جانے کی رسم جاری ہے۔ سو جینے کے لیے اپنی بقاء کی جنگ تو لڑنا ہی پڑے گی۔وہ مدھم لہجے میں کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

ابو گہری سانس بھر کر رہ گئے۔وہ مزید کچھ بھی کہے بغیر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

پھر اسکے دوبئ جانے کے تمام مراحل سلیم کی معاونت سے جلد ہی طے ہوگئے تھے۔ابو امی بھائی بھابیوں نے خوب ہی شور مچایا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

جانے سے قبل اس نے سلیم سے اس کسینو کے متعلق معلومات حاصل کرلی تھیں جہاں حیدر کام کیا کرتا تھا۔

ابو نے بہت چاہا کہ وہ اسکے ساتھ چلیں مگر وہ ان کو خوار نہ کروانا چاہتی تھی اسنے تو کسی سے ایک روپے کا بھی احسان نہ لیا تھا۔اسکے زیورات اور جمع شدہ رقم اتنی تھی کہ اس کے اخراجات پورے ہوگئے۔وہ جس روز دوبئ کے لیے روانہ ہورہی تھی اس روز امی ابو اور بھائیوں نے اسے خوب ہی لعن طعن کرڈالی تھی وہ اس کو یوں خود کو تباہ کرتے دیکھ کر مضطرب تھے اور یہ اضطراب غم و غصے کی صورت اختیار کیے ہوئے تھا۔عام طور پر یہ دیکھا جاتا

ہے کہ کسی عورت کا شوہر مر جائے ، کھو جائے، یا بے وفائی کر جائے تو وہ کچھ عرصہ رونے دھونے کے بعد نئ زندگی شروع کر دیتی ہے۔مگر یہ عبیرہ جانے کس مٹی کی بنی تھی کہ دو سال گزر جانے کے بعد بھی اسی ایک انسان کے نام کی مالا چپ رہی تھی، اسکی بے وفائی کے شواہد مل جانے کے باوجود وہ خوش گمان تھی، پر امید تھی۔۔اسے تلاش کرنے نکل کھڑی ہوئی تھی۔

یہ محبت عام انسانوں کی سمجھ سے بالاتر تھی۔اور سچ تو یہ ہے کہ محبت کی حقیقی روح تو عامیانہ سوچ رکھنے والے اور زندگی اور رشتوں کو نفع نقصان کے معیار پر پرکھنے والوں کے لیے ناممکن ہی ہے۔محبت تو ایک ایسا جذبہ ہے جس میں صلے کی کوئی تمنا نہیں رہتی۔۔یہ مداخلت سے پاک جذبہ ہے۔۔محبت کرنے والے بے غرض ہوا کرتے ہیں۔انہیں اپنی بے انتہا محبت کے جواب میں محبت کے دو بول بھی نہیں چاہیے ہوتے ان کے لیے بس اپنی ہی محبت بہت کافی ہوتی ہے جس کی سرشاری میں وہ عمر بتا دیتے ہیں۔

عبیرہ بھی کچھ ایسی ہی کیفیت سے دوچار تھی۔وہ حیدر سے جتنی محبت کرتی تھی وہ اسکے لیے بہت کافی تھی۔وہ اسکے بغیر زندگی گزار نہ پارہی تھی تو صرف اسلیے کہ وہ محض اسکا محبوب نہ تھا بلکہ شوہر تھا اس کا رفیق جس نے دن رات محبت کا امرت اسکی روح میں اتارا تھا۔۔وہ اس کی روح سے واقف تھی سو یہ نہ مان سکتی تھی کہ وہ بے وفا ہے۔وہ اسے ایکبار تلاش کرکے پوچھنا چاہتی تھی کہ آیا وہ محبت کا ڈھونگ رچایا کرتا تھا یا وہ سب سچ تھا۔اسکی بقیہ زندگی کے

لیے یہی سرشاری بہت ہوتی کہ اسکے محبوب نے اس سے محبت کا ڈھونگ نہ رچایا تھا۔اور اسی سکون کی تلاش اسے دوبئ لے آئی تھی۔وہ جو گھر سے تنہا نہ نکلتی تھی اتنی دور چلی آئی تھی۔جانے کہاں سے اسمیں اتنی ہمت پیدا ہوگئی تھی کہ وہ دنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مقابلہ کرنے کو تیار ہوگئی تھی۔

سلیم نے دوبئ میں اپنے ایک جاننے والے کو اسکی رہائش کا بندوبست کرنے سے کے کر اسکی ہر طرح کی معاونت کرنے کی تاکید کردی تھی۔وہ جب ائیر پورٹ پہنچی تو ایک بیس بائیس سالہ لڑکا اسکے نام کا کارڈ پکڑے منتظر تھا وہ اسی کی طرف چلی آئی۔

آپ عبیرہ باجی ہیں؟ اس نے اپنی بھاری سی آواز میں پوچھا۔اس منحنی سے لڑکے کے منہ سے ایسی بھاری مردانہ آواز کچھ عجیب ہی معلوم ہوتی تھی۔

جی۔اسنے ایک حرفی جواب دیا۔

میں شاھد ہوں۔سلیم بھائی نے مجھے آپکے متعلق ہدایت کی تھی کہ جب تک آپ یہاں ہیں آپکو کوئی تکلیف نہ پہنچنے پائے۔وہ رٹو طوطے کی طرح بول رہا تھا۔

جی۔وہ اسکے علاوہ کیا کہتی۔

چلیں۔اسنے اسکے سوٹ کیس کا ہینڈل تھاما اور قدم بڑھائے۔عبیرہ نے اسکی تقلید کی۔

میں یہاں کرائے کی ٹیکسی چلاتا ہوں اللہ کا شکر ہے بڑا اچھا گزر بسر ہوتا ہے۔ وہ از خود ہی اسے بتا رہا تھا۔وہ چپ چاپ سنے گئی۔

میری فیملی پاکستان میں رہتی ہے ان کو بھی ماہانہ پیسے بھیجتا ہوں۔سلیم بھائی کے ہی توسط سے میں یہاں آیا تھا چار سال پہلے۔اب تو پاکستان میں میرے اماں ابا نے ایک گھر بھی بنالیا ہے اور بڑی بہن کی شادی بھی ہوگئی ہے۔وہ بہت بولتا تھا۔عبیرہ بے دھیانی میں سنے گئی۔وہ ائیر پورٹ کی عمارت سے باہر آئے اور شاھد اسے پارکنگ میں کھڑی اپنی چم چم کرتی ٹیکسی کے پاس لے آیا۔

بیٹھیں باجی۔اسکا سامان ڈگی میں رکھتے ہوئے اسکے کہا۔

میں رہوں گی کدھر؟ اس نے پلٹ کر پوچھا۔

جہاں میں رہتا ہوں۔وہ مصروف انداز میں بولا تو وہ بدک گئی۔

میں تمہارے ساتھ نہیں رہوں گی۔اسنے صاف انکار کیا۔

لیکن کیوں باجی؟ پھر آپ کہاں رہیں گی؟ اسنے سادگی سے سوال کیا اسکے چہرے پہ معصومیت اور آنکھوں میں سادگی تھی۔

تم میرا کہیں اور رہنے کا بندوبست کردو۔وہ اٹک اٹک کر بولی۔

باجی میں سارا دن گھر پہ نہیں ہوتا۔صبح کا گیا آدھی رات کو واپس آتا ہوں۔ پھر بھی۔۔میں کمفرٹیبل نہیں ہوں گی۔تم میرے لیے کہیں اور آئی مین کسی

ایسی جگہ پہ رہنے کا بندوبست کردو جہاں لڑکیاں ہی ہوں۔

ایسی تو کوئی جگہ مجھے نہیں پتہ مگر ایک کام ہوسکتا ہے کہ میں اپنے دوستوں کے فلیٹ میں چلا جاتا ہوں اور آپ میرے فلیٹ میں رہ لیں۔اسنے جلدی سے حل پیش کیا۔

مگر میں اکیلی کیسے۔وہ بے چارگی سے بولی۔

میرے دوستوں کا فلیٹ بھی اسی بلڈنگ اور اسی فلور پر ہے جہاں میرا فلیٹ ہے اسلیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔چلیں بیٹھیں اب میرے کام کا وقت ہے بہت حرج ہوجاتا ہے۔اسنے سنجیدگی سے کہتے ہوئے فرنٹ سیٹ کی جانب قدم بڑھائے تو وہ بھی تن بہ تقدیر بنی بیٹھ گئی۔اسکا ذہن پراگندگی کا شکار تھا۔کچھ سمجھ نہ آرہا تھا کہ اس انجان دیس میں وہ حیدر کو کیسے کھوج پائے گی۔وہ جیسے اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہی تھی۔

اسکا ذہن کچھ ایسا الجھا کہ راستہ کٹنے کا احساس ہی نہ رہا۔شاھد کا فلیٹ ایک ایسے علاقے میں تھا جہاں زیادہ تر دوسرے ملکوں سے بغرض روزگار آئے لوگ ہی آباد تھے۔ہر ہر فلیٹ کو آٹھ آٹھ دس دس لوگ شئیر کر رہے تھے جو سارا دن مختلف جگہوں پر کام کرتے اور رات کو یہاں آکر کچھ دیر آپس میں غپ لڑاتے اور پھر تھک کر سوجاتے۔ان سب کی زندگیوں کا مقصد بس پیسہ کما کر اپنے خاندانوں کو بھیجنا تھا اور اپنے خاندان کو اچھی زندگی دینے کے

لیے وہ زیادہ سے زیادہ بچت کرتے تھے خود پر زمانے بھر کی خوشیاں اور آسائشیں حرام کیے بس پیسہ کمانے کی مشین بنے یہ مرد اپنے اپنے بیوی بچوں ماں باپ بہن بھائیوں کے لیے خود کو فراموش کر بیٹھے تھے۔

انسان ساری عمر صرف رزق کے پیچھے بھاگ بھاگ کر بتا دیتا ہے یہ جانے بغیر کہ جتنا رزق قسمت میں لکھ دیا گیا ہے وہ مل کر ہی رہے گا۔

انسان بنیادی طور پر مادیت پرست واقع ہوا ہے آسائشوں کا پجاری ظاہری نمود و نمائش کا شیدا اسے زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹنے کی ہوس رہتی ہے اور اس خواہش کی تسکین کی خاطر وہ اپنی ساری زندگی جوڑ توڑ اور بھاگ دوڑ میں گزار دیتا ہے نہ خالق کو جان پاتا ہے نہ مخلوق کو اور نہ ہی اپنے آپ کو۔وہ اشرف المخلوقات سے عمومی جانور بن جاتا ہے روحانیت سے دور بس ایک وجود۔مادی خواہشات کے چنگل میں پھنسا انسان کبھی روحانیت کی سیڑھی پر قدم نہیں دھر سکتا کیونکہ مادی خواہشات کا کوئی انت نہیں ہوتا یہ کبھی نہ مٹنے والی بھوک ہے۔آسائش در آسائش، مایا در مایا۔۔انسان جو ابتدائے آفرینش سے تن آسانی کا جویا رہا ہے اس آسانی کو حاصل کرنے کے چکر میں اپنی روح کو فراموش کر جاتا ہے۔اپنی پیدائش کی وجہ کو بھول جاتا ہے وہ بھاگتا جاتا ہے بھاگتا جاتا ہے اور بلآخر قبر کا منہ دیکھ لیتا ہے۔۔خالی ہاتھ۔۔۔

شاھد اسے اپنے فلیٹ میں لیکر آیا جو کہ چوتھی منزل پر تھا۔فلیٹ کیا تھا بس

ایک ڈربہ ہی تھا

اندر داخل ہوتے ہی ایک چھوٹا سا لاؤنج جس میں شاھد کے کپڑے جوتے اور کھانوں کے خالی ڈبے بکھرے پڑے تھے۔لاؤنج کے ایک طرف ایک کمرہ جس میں ایک سنگل بستر ایک کرسی اور ایک دیوار گیر الماری کے بعد بس اتنی ہی جگہ بچتی تھی کہ چلا پھرا جاسکے۔اسکے ساتھ ہی چھوٹا سا باتھ روم تھا۔کمرے سے ہی ملحق بالکونی تھی جس کا دروازہ اس وقت بند تھا۔لاؤنج سے ہی ملحق ایک چھوٹا سا کچن بھی تھا۔پورا فلیٹ بکھرا پڑا تھا۔عبیرہ تو یہاں گھستے ہی چکرا گئی۔پورے فلیٹ میں عجیب سی بو چکرا رہی تھی جو غالبا گندگی کا شاخسانہ تھا اور سیلن بھی کافی سے زیادہ تھی۔

اس فلیٹ کا کرایہ بہت کم ہے اسلیے لے لیا تھا مجھے کسی کیساتھ فلیٹ شئیر کرنے سے بڑی چڑ ہوتی ہے یہ جگہ بیشک گندی ہے چھوٹی ہے مگر میری اپنی تو ہے۔ اسکے سوٹ کیس کے لیے جگہ بناتے ہوئے وہ وضاحت دے رہا تھا۔ عبیرہ نے آگے بڑھ کر لاؤنج کی کھڑکی کھول دی۔تازہ ہوا کا جھونکا اندر آیا۔

میں چلتا ہوں آپ آرام کرلیں۔ ادھر کچن میں کھانے پینے کی ہر چیز موجود ہے۔اور کچھ چاہیے ہو تو مجھے بتا دیجیے گا۔اسکا سوٹ کیس ایک کونے میں فٹ کرکے وہ پلٹا۔عبیرہ نے سر ہلا دیا وہ عجلت میں معلوم ہوتا تھا سو فورا ہی چلا گیا جاتے سمے وہ فلیٹ کی چابیاں عبیرہ کے حوالے کرگیا تھا۔اسکے جانے کے بعد

عبیرہ نے ایک طویل سانس لیکر فلیٹ پہ تفصیلی نگاہ دوڑائی اور پھر گھوم پھر کر بالکونی سے ایک جھاڑو دریافت کر ہی لی۔اس فلیٹ کی صفائی کے بغیر یہاں رہنا کم از کم اسکے لیے تو ناممکن تھا سو وہ جانفشانی سے کام میں لگ گئی۔تین چار گھنٹوں کی متواتر محنت کے بعد اسنے فلیٹ کو چمکا دیا تھا۔اسکے بعد اسنے شاور لیا اور کچن میں آئی۔صاف ستھرا کچن بہت ہی اچھا لگ رہا تھا اور شاھد کے کہنے کے مطابق یہاں کھانے کا سبھی سامان موجود تھا۔اسنے ایک سینڈوچ بنا کر کھایا اور چائے پی کر کمرے میں چلی آئی۔اسکا وجود اس وقت نیند کا متقاضی تھا وہ بستر پہ لیٹ گئی اور جلد ہی گہری نیند سوگئی تھی۔

دو سال گزر چکے ہیں باجی اب جانے اس کسینو کے مالک کو آپکے شوہر کے متعلق کچھ یاد بھی ہو یا نہیں۔ شاھد کے اسکی ساری کتھا سننے کے بعد کہا۔

شاید تھوڑی بہت معلومات مل ہی جائے۔وہ امید و بیم کی کیفیت میں گھری ہوئی تھی۔

زیادہ سے زیادہ یہی پتہ چل جائے گا کہ آپکے شوہر کب سے کب تک وہاں کام کرتے رہے تھے۔

شاید کوئی انکا دوست مل جائے وہاں۔

ہاں شاید۔چلیں میں کل جاؤنگا۔آپکے پاس اپنے شوہر کی تصویر ہے؟

ہاں ہے۔

ٹھیک ہے پھر وہ آپ مجھے دے دیں۔میں کل جاتا ہوں۔اسنے اپنا سامان سمیٹتے ہوئے کہا، عبیرہ اپنے بیگ میں سے حیدر کی تصویر نکال لائی۔شاھد تصویر لیکر اپنا سامان لیے چلا گیا۔عبیرہ نے دروازہ اچھی طرح لاک کیا اور کمرے میں چلی آئی۔اسکے دل میں مکمل اداسی کے ڈیرے تھے۔

اگلے روز وہ سارا دن جلے پیر کی بلی کی طرح پورے فلیٹ میں چکراتی رہی۔ شاھد رات کو آیا تھا۔عبیرہ نے اس پر سوالوں کی بوچھاڑ کردی۔

وہاں سے بس یہی پتہ چلا ہے کہ حیدر بھائی دو سال پہلے وہاں جاب کرنے آئے تھے اور چار پانچ ماہ بعد انہوں نے جاب چھوڑ دی تھی۔انکے کسی کے ساتھ بھی دوستانہ تعلقات نہ تھے وہ ایک ریزروڈ انسان تھے اور انکی جس جائے رہائش کا پتا وہاں لکھا ہوا تھا وہاں بھی گیا تھا میں۔ادھر سے حیدر بھائی کے متعلق کوئی معلومات نہیں ملی۔اس نے تفصیل بتادی۔

عبیرہ کا دل ڈوبنے لگا۔

تو اب میں کیا کروں؟ اسنے ڈوبتے ہوئے انسان کی طرح پوچھا۔

پولیس سے مدد لے لیتے ہیں

نہیں۔۔نہیں۔اس نے نفی میں سر ہلایا۔

تو پھر؟

پتہ نہیں۔مگر پولیس سے مدد نہیں لینی۔

دیکھیں باجی بہت ٹائم گزر چکا ہے پولیس کی مدد کے بغیر حیدر بھائی کا سراغ ملنا بہت مشکل ہے۔میرے خیال میں تو اسمیں کوئی مضائقہ نہیں ہوگا۔اس نے اسے قائل کرنے کی کوشش کی۔

مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔اس نے اپنی پیشانی مسلی۔

آپ اچھی طرح سوچ لیں باجی۔میں کل آؤنگا۔اللہ حافظ۔وہ نپے تلے انداز میں بولتا اٹھ کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا وہ اسی پوزیشن میں بیٹھی رہی۔

اگلے روز جب دن پوری طرح نکل آیا تو وہ اپنا حلیہ درست کرکے فلیٹ سے باہر نکلی۔اسے کچھ علم نہ تھا کہ اسے کہاں جانا ہے مگر وہ بلڈنگ سے باہر آکر یونہی بے سمت چلنے لگی۔کچھ دور چلنے کے بعد وہ سڑک پر آگئی۔یہاں معمول کی ٹریفک رواں دواں تھی۔بڑی بڑی گاڑیاں آ جا رہی تھیں۔سورج کی تپش اور گرم ہوا اسکے وجود سے ٹکرا رہی تھی۔

وہ ہر آتے جاتے انسان کے چہرے کو بغور تکتی بار بار رک جاتی۔اسے ہر جگہ جیسے حیدر کا چہرہ نظر آتا اسی کی آہٹ سنائی دیتی۔۔جب بھی کوئی اسکے پاس سے گزرتا وہ چونک چونک جاتی۔۔

کافی دیر ادھر سے ادھر چکرانے کے بعد وہ تھک کر سڑک کنارے رک گئی۔ چند ہی ثانیے بعد ایک ٹیکسی اسکے قریب رکی۔

کدھر جانا ہے؟ ڈرائیور نے عربی میں دریافت کیا عبیرہ نے نا سمجھی کے عالم میں اسکی طرف دیکھا۔ وہ شکل سے ایشیائی باشندہ ہی لگتا تھا اسکے چہرے پہ پھیلی الجھن کے باعث وہ سمجھ گیا کہ وہ عربی سے نابلد ہے۔

نو اریبک(عربی)؟ اس نے اب کی بار انگریزی کا سہارا لیا۔عبیرہ نے سر اثبات میں ہلایا۔

کدھر جانا ہے؟ اسنے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں سوال پوچھا۔

پتہ نہیں۔وہ اردو میں بڑبڑائی۔

دوبئ پہلی بار آئی ہیں؟ ڈرائیور کے منہ سے اردو سن کر وہ چونکی۔

جی۔پہلی بار آئی ہوں۔اسنے اپنے حواس مجتمع کرکے جواب دیا۔

سیر لے لیے یہاں بہت سی جگہیں ہیں حدیقۃ الخور، حدیقۃ الصفا، حدیقۃ مشرف، حدیقۃ زعبیل، برج خلیفہ، جمیرا بیچ آپ کہاں جانا چاہیں گی؟ اس نے رٹو طوطے کی طرح نام گنوائے۔

جہاں بہت زیادہ لوگ ہوں۔وہ کہتے ہوئے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔

سبھی جگہوں پر بہت کراؤڈ ہوتا ہے میڈم۔دوبئ تو لوگ آتے ہی گھومنے پھرنے کے لیے ہیں۔ڈرائیور نے گاڑی کو مناسب رفتار سے دوڑاتے ہوئے کہا۔

بس پھر قریب ترین کسی بھی جگہ پر اتار دو۔اسنے کہتے ہوئے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا۔

جی میڈم۔اسنے مؤدبانہ کہہ کر گاڑی کی رفتار تیز کردی۔کچھ دیر بعد اسنے گاڑی روک دی تو عبیرہ نے آنکھیں کھولیں۔

یہ سب سے بہترین جگہ ہے میڈم۔ڈرائیور نے ذرا سا پلٹ کر پروفیشنل انداز میں کہا تو اس نے کھڑکی سے باہر نظر ڈالی۔حد نظر تک نیلا سمندر نظر آرہا تھا۔اس نے طویل سانس لی۔

میڈم اگر کچھ دیر رکنا ہو تو ویٹنگ کر لوں گا۔وہ اسے آفر کر رہا تھا شاید اسلیے کہ وہ اس دیس میں انجان تھی اور اسکی ہم وطن بھی۔

نہیں بس! آپکے کتنے پیسے ہوگئے؟ اسنے اپنا ہینڈ بیگ کھولتے ہوئے پوچھا، ڈرائیور نے اسے رقم بتادی۔عبیرہ نے دام چکائے اور گاڑی سے اتری۔

میڈم یہ کارڈ رکھ لیں آپ کو جب بھی ٹیکسی کی ضرورت ہو بس فون کال کر دیجیے گا۔اسنے کھڑکی سے ہاتھ باہر نکال کر کارڈ اسکی جانب بڑھاتے ہوئے اپنی پروموشن کی تھی۔عبیرہ نے چپ چاپ کارڈ تھام لیا اور ساحل کی جانب ہولی۔

وہ اس وقت دنیا کے خوبصورت ترین ساحلوں میں سے ایک پر چل رہی تھی۔ وہ جنت نظیر جگہ تھی کہ جہاں رنگ و نور کی برسات اتر آئی تھی۔پورے ساحل کو گلزار بنانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا گیا تھا۔وہ ونڈر لینڈ جیسی جگہ تھی کہ جہاں جاکر انسان کھو جائے خود سے بے گانہ ہوکر بس رنگ و نور کی برسات میں بھیگتا چلا جائے۔۔

یہاں بہت رونق تھی مگر عبیرہ اس سب سے بے پرواہ تھی۔۔خوشی اور غم کا تعلق ہماری اندر کی دنیا سے ہوتا ہے اگر اندر شادمانی کے ڈیرے ہیں تو باہر کیسا بھی ماحول ہو کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن اگر من اندر گہری چپ اور تاریکی کا راج ہو تو باہر کی رنگینیاں اثر انداز نہیں ہوتیں۔وہ جوتے ہاتھ میں پکڑے ننگے پاؤں ساحل پر چل رہی تھی۔

سمندر کی لہروں میں عجب شوریدہ سری تھی، تلاطم تھا۔۔بے چین موجیں ساحل سے سر پٹخ رہی تھیں۔وہ سست قدموں سے ننگے پاؤں ساحل کی گیلی ریت پر چلتی گئی۔اسکی سماعتیں لہروں کا شور سن رہی تھیں۔اسکی آنکھیں خوش و خرم انسانوں کے ہجوم کو دیکھ رہی تھیں۔مگر اسکا ذہن مسرتوں کے اس سیل رواں سے بہت پرے اپنی ہی نارسائیوں کے بھنور میں ڈول رہا تھا۔اسکے پیش نظر بس ایک ہی خیال تھا۔وہ حیدر کو کہاں تلاش کرے گی۔۔وہ بلکل اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہی تھی۔منزل کا کوئی سراغ نہ تھا۔

وہ سمندر کنارے چلتی ہجوم سے کافی دور نکل آئی۔جب تھک گئی تو ریت پر بیٹھ گئی۔کبھی کبھی اسکا دل چاہتا کہ وہ زور زور سے چیخنے لگ جائے حیدر کو پکارے اسے بتائے کہ اس نے اسے کس دوراہے پہ لا چھوڑا ہے، دہائی دے کہ اسے کوئی راستہ سجھائی نہیں دیتا وہ کنفوز ہے کہ کس پر یقین کرے اپنی محبت پر یا محبوب کی بے وفائی پر یا پھر اس بات پر کہ اسکا اور حیدر کا ساتھ بس وہیں تک تھا۔۔

حقائق کہتے تھے حیدر کا چیپٹر ختم ہو چکا اور ایک اسکا دل تھا جو یہ ماننے کو کسی طور راضی نہ ہوتا۔وہ اک روحانی اذیت میں مبتلا تھی ایسی اذیت جس کو بیان کرنے کو الفاظ بھی نہ تھے۔اسنے تھک کر اپنا سر گھٹنوں پہ رکھ دیا۔سمندر کی لہریں بڑھ بڑھ کر اسکے وجود کو بھگوئے گئیں تھی۔

ہم نے اس وقت بھی محبت کی،

جب محبت کا نام تھا ہی نہیں۔۔۔

چند دن اور گزر گئے۔شاھد نے اپنے کام سے وقت نکال کر حیدر کو تلاش کرنے میں اسکی ہر ممکن مدد کی مگر کوئی کامیابی نہ ہو سکی۔بظاہر یوں لگتا جیسے حیدر نامی انسان دنیا کی بھیڑ میں کہیں کھو چکا ہے اور جو جان بوجھ کر کھو جائیں انہیں کون ڈھونڈ سکا ہے آج تک۔۔

اب اور کوئی راستہ نہ رہا تھا سوائے اسکے کہ وہ باہر نکل کر ایک ایک راہگیر کو روک کر حیدر کی تصویر دکھاتی اور اسکی بابت دریافت کرتی اور اسنے یہی طریقہ اختیار کیا۔وہ ہر روز صبح سے شام تک سڑکوں پر گزرتے لوگوں کو حیدر کی تصویر دکھا کر اسکے متعلق پوچھتی مگر اسے ہر بار مایوسی کا سامنا ہی کرنا پڑتا۔ پھر ایک روز اسے وہی ٹیکسی والا مل گیا۔اس نے اسے یوں سڑک پر کھڑے دیکھا تو وجہ جاننے کے لیے استفسار کیا۔عبیرہ نے اسے مختصرا بتا دیا کہ وہ اپنے شوہر کو تلاش کر رہی ہے۔اسکے بعد وہ تقریبا روز ہی اسے یوں سڑک کنارے دیکھ کر سلام کرتا ہوا گزر جاتا پھر ایک دن اس نے ٹیکسی عین اسکے قریب روک دی۔

سلام باجی۔اسنے زور سے سلام جھاڑا تھا۔

وعلیکم السلام! عبیرہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

چلیں آپکو آپکے گھر چھوڑ دوں۔اسنے آفر کی۔

نہیں مجھے ابھی نہیں جانا۔

او باجی روز اسی جگہ کھڑی رہتی ہو اب کسی اور جگہ جاکر یہی مہم جاری رکھو۔ادھر والے راہگیروں کو تو اب تمہارے شوہر کی تصویر حفظ ہو گئی ہو گی۔ اسنے نئی تجویز دی تو عبیرہ سوچ میں پڑ گئی۔

کہتے تو تم ٹھیک ہو۔مگر مجھے تو یہاں کے راستوں کا ہی علم نہیں۔

تو یہ آپکا بھائی ہے ناں دوبئ کے چپے چپے کو جانتا ہوں آئیں بیٹھیں۔اسنے ہاتھ بڑھا کر پچھلی نشست کا دروازہ اسکے کیے کھولا تو وہ کچھ سوچتے ہوئے بیٹھ گئ۔

جمشید نے

گاڑی آگے بڑھادی۔

آپکا شوہر کھو کیسے گیا؟ اسنے چند لمحوں بعد پوچھا۔

پتہ نہیں وہ کھوئے بھی ہیں یا نہیں۔وہ بڑبڑائی۔

کمال ہے جب آپ کو پتہ ہی نہیں کہ وہ کھو گیا ہے یا نہیں تو پھر تلاش کسے کرنے آئی ہیں؟

محبت کو۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہاہاہا او باجی جی محبت وحبت سب کتابی باتیں ہوتی ہیں جب فاقے لگتے ہیں ناں تو محبت پھرر ر ہوجاتی ہے۔وہ محظوظ ہوا تھا۔عبیرہ نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے نفی میں سرہلایا۔

نہیں محبت تو فطرت ہے۔اس سے انکار ممکن ہی نہیں۔

آپ پڑھے لکھے لوگ ناں بس ساری زندگی فلسفے بولنے میں گزار دیتے ہیں۔ اصل کی زندگی فلسفے سے بڑی الگ ہوتی ہے۔پیٹ کی خاطر جب سارا دن جانوروں کی طرح مزدوری کرنی پڑے ناں تو محبت کرنے کی ہوش نہیں رہتی۔

وہ بڑا حقیقت پسند معلوم ہوتا تھا۔

محبت بے خودی کا نام تو نہیں۔

باجی جی چھوڑو اس قصے کو۔تم اپنے شوہر کا بتا رہی تھی۔کدھر ہے وہ؟ اور کھو کیسے گیا؟ وہ محبت سے برگشتہ نظر آتا تھا سو موضوع بدل گیا۔

وقت کی دھند میں کھو گئے ہیں وہ کہیں۔

تو ادھر کیا کرنے آیا تھا؟

پیسہ کمانے۔

ہاہاہا بس دیکھو بات وہیں پاپی پیٹ پہ آکے رکتی ہے۔محبت وحبت ناں بھرے پیٹ کی باتیں ہیں جب پیٹ خالی ہو تو سب سے زیادہ پیاری چیز روٹی لگتی ہے محبت نہیں۔وہ ہاتھ ہلا کر استہزائیہ انداز میں بولا۔

میرے لیے تو محبت ہی سب کچھ ہے۔

کبھی فاقہ کیا ہوتا تو ایسا نہ کہتی۔ویسے آپ کا شوہر ضرور کسی مالدار عورت کے چکر میں پڑ کر آپکو بھول گیا ہے۔پیسے کی چمک دمک بڑی کمینی چیز ہے اچھے بھلے انسان کو کتے کی طرح رال ٹپکانے پر مجبور کر دیتی ہے۔

حیدر ایسے نہیں ہیں۔وہ تڑپ کر رہ گئی۔

ہاہاہا کتنی بھولی ہو تم باجی۔اسنے قہقہہ لگایا۔یہ جو مرد ہوتے ہیں ناں پکے ہرجائی

ہوتے ہیں ان کی فطرت ہی مشرک ہے ایک محبت ایک عورت ایک رفیق سے انکا جی بھرتا ہی نہیں۔سالے بھوکے۔۔وہ ترشروئی سے گویا ہوا۔

مجھے تم سے محبت تو نہیں ہے تم سے تو عشق ہے۔۔اور جانتی ہو عشق کیا ہوتا ہے۔۔جنون۔۔عادت سے اگلا درجہ۔۔۔محبت سے اگلا مسکن۔۔کوئی اسکے آس پاس ہی بولا تھا۔

پتہ نہیں بس مجھے انہیں تلاش کرنا ہے۔

بیکار میں جوتیاں نہ گھساؤ۔خود ہی آجائے گا جب دل بھرے گا تو۔ہر جانے والا لوٹ آتا ہے سوائے مردے کے۔زندوں کی قسمت ہی یہی ہے کہ بس ایک سرکل میں گھومتے رہنا ہے چاہے کتنا بھی بھاگ لو واپس آنا ہی پڑتا ہے۔چاہے خوشی سے چاہے مجبوری سے۔وہ لاپروائی سے بولا۔

شاید۔۔

کتنے عرصے سے کھویا ہوا ہے آپ کا شوہر؟

دو سال ہوگئے۔

دو سال ہوگئے اور تم اب تک اسے ڈھونڈ رہی ہو۔ اسے از حد تعجب ہوا۔

ابھی ہی تو ڈھونڈنا شروع کیا ہے۔اسنے تصحیح کی۔

کیوں دو سال سوتی رہی تھی کیا؟ اسکا لہجہ استہزائیہ تھا۔

شاید۔۔

باجی جی تم بہت معصوم ہو۔مرد بڑے چالاک ہوتے ہیں ان پہ کبھی اعتبار نہیں کرنا چاہیئے چاہے کتنا ہی محبت کا یقین کیوں نہ دلائیں۔مرد کے دل میں ہر روز نیا چہرہ اتر جاتا ہے ہر لمحہ نئی محبت جنم لیتی ہے ضرورت کا پتلا، بدن کا پجاری ہے مرد بس پھر چاہے وہ آپکا شوہر ہی کیوں نہ ہو۔کسی ایک عورت کا ہوکر رہنا اسکی فطرت ہی نہیں۔وہ فلسفیوں کی طرح بول رہا تھا۔

عبیرہ کے دل پہ گھونسا پڑا۔مگر وہ کچھ نہ بولی۔

اپنے شوہر کی تصویر دکھاؤ مجھے شاید میں جانتا ہوں اسے۔اسنے چند ثانیے بعد کہا تو عبیرہ نے جلدی سے اپنے بیگ میں سے حیدر کی تصویر نکال کر اسکی طرف بڑھائی اسنے ایک سرسری سی نظر تصویر پہ ڈالی پھر چونک گیا۔

یہ تو شیخ کا ملازم ہے۔وہ بے ساختہ ہی بولا عبیرہ کا دل بہت زور سے دھڑکا۔

تت۔۔۔تم جانتے ہو انہیں۔کہاں ہیں یہ مجھے انکے پاس لے چلو پلیز۔ وہ روہانسی ہوگئی۔جمشید نے گاڑی سڑک کنارے روک دی اور مڑ کر اسکے ہاتھ سے تصویر لے لی۔

یہ وہی ہے۔میں نے اسکو شیخ کے محل میں ہی دیکھا تھا۔وہ تصویر پہ نظریں جمائے بولا۔

مجھے وہاں لے چلو۔ اسنے منت کرنے کے سے انداز میں کہا۔

ادھر جاکر کیا کروگی؟ پتہ نہیں اب یہ ادھر ہوگا بھی یا نہیں۔

کیا مطلب۔تم نے خود ہی تو کہا کہ تم نے انکو کئی بار ادھر دیکھا ہے۔

ہاں مگر وہ تو تین چار مہینے پہلے کی بات ہے تب میں شیخ کی ٹیکسی چلاتا تھا پھر ایک دن میرے سے اسکی گاڑی کا تھوڑا نقصان ہوگیا تھا تو اس نے مجھے فارغ کردیا۔اسنے بے زاری سے جواب دیا۔

ہوسکتا ہے وہ وہیں ہوں۔پلیز مجھے وہاں لے چلو دیکھو اگر وہ وہاں نہ بھی ہوئے تو بھی کسی کو کچھ معلوم تو ہوگا ناں ان کے متعلق۔وہ منتیں کر رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

باجی بیکار کی ضد نہ کرو۔

دیکھو پلیز میرے بھائی مجھے ادھر لے چلو پلیز۔وہ روپڑی تھی۔وہ دھیما پڑگیا۔

اچھا روؤ مت۔لے چلتا ہوں ادھر۔مگر دیکھو شیخ غصے کا بہت تیز ہے ذرا سی بات پر چلانے لگتا ہے اور بہت سخت سزائیں دیتا ہے۔اسلیے بس مطلب کی بات کرنا۔اسنے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اسے ھدایت کی مگر وہ سن کہاں رہی تھی۔اسکا دل بہت شدت سے دھڑک رہا تھا۔دو سال بعد وہ اپنے حیدر کو دیکھنے جارہی تھی۔۔دو سال بعد۔۔۔

جیسے تیسے راستہ طے ہوا اور گاڑی ایک بہت ہی عالیشان محل کے سامنے جا رکی جس کا منقش سفید گیٹ بند تھا۔وہ گاڑی سے اتر کر گیٹ سے ملحق کیبن کی طرف چلا گیا وہاں اسکی مکمل چیکنگ کی گئی۔ان دونوں کو دو گارڈز کی نگرانی میں گیٹ سے اندر لیجایا گیا۔

طویل ڈرائیووے پتھریلی تھی اور اسکے دونوں اطراف سر سبز لان دور تک پھیلا ہوا تھا لان میں بائیں ہاتھ پر ایک فوارہ تھا جس میں بہتا پانی سورج کی روشنی میں موتیوں کی طرح چمک رہا تھا اور لان پر چہل قدمی کرتیں اعلی نسل کی سفید بطخیں اس خوبصورت منظر کا حسین ترین حصہ تھیں۔وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ڈرائیو وے طے کرکے برآمدے تک آئے۔لکڑی کا منقش دروازہ بند تھا۔دربان نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور وہ دونوں گارڈز کی رہنمائی میں ہی اندر داخل ہوئے۔وہ محل اندر سے بھی بے حد خوبصورت تھا۔عبیرہ کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ خواب کے عالم میں ہے۔طویل راہداری سے گزر کر وہ ایک ہال نما کمرے میں آئے جہاں فرش پر دبیز قالین بچھے تھے اور بہترین شاہی فرنیچر پڑا تھا۔چھت پر قیمتی فانوس لٹ رہے تھے اور پورا کمرہ ایک سوفٹ سی خوشبو سے معطر تھا۔ایک گارڈ نے عربی میں کچھ کہا اور جمشید نے سر ہلا کر جوابا کچھ کہا۔

کیا کہہ رہے ہیں؟ اس نے پوچھا۔

کہہ رہے ہیں شیخ سے ملنے کے لیے کچھ دیر انتظار کرنا پڑے گا۔اس نے اسے بتایا۔

ٹھیک ہے ہم انتظار کر لیں گے۔وہ فورا سے پیشتر بول اٹھی۔

باجی میرے کام کا بہت حرج ہورہا ہے۔وہ بیزاری سے بولا۔

تو ٹھیک ہے تم چلے جاؤ میں یہیں انتظار کرونگی۔

اچھا بیٹھو۔وہ ہاتھ ہلا کر بولا تو وہ ایک صوفے پر بیٹھ گئی وہ صوفہ بہت نرم تھا یوں جیسے وہ روئی کے ڈھیر میں دھنس گئی ہو۔جمشید بھی دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔

انہیں متواتر تین گھنٹے انتظار کرنا پڑا اور اسکے بعد ایک خادم نے آکر بتایا کہ شیخ آج ملاقات نہیں کر سکے گا سو وہ دونوں کل دوپہر دو بجے آجائیں۔جمشید کا پارہ ساتویں آسمان پہ جاپہنچا۔کوفت تو عبیرہ کو بھی ہوئی تھی مگر وہ حیدر کی خاطر اس سے بھی زیادہ انتظار کر سکتی تھی۔جمشید نے خوب ناک بھوں چڑھائی مگر اگلے روز اسے لیکر جانے پہ راضی ہو ہی گیا تھا۔

شیخ یوسف بن محمد انکے سامنے تھا۔وہ ایک ستر پچھتر سالہ انسان تھا جس کا پورا وجود امارت جھلکاتا تھا۔وہ اس وقت اپنے محل کے عالیشان ڈرائنگ روم کے بڑے سے شاندار صوفے پر براجمان تھا۔اور اسکے چہرے پر تمکنت تھی۔عبیرہ

نے جمشید کی طرف دیکھا۔جو عربی میں کچھ کہہ رہا تھا۔

اپنے میاں کی تصویر دیں۔ جمشید نے اس سے کہا۔اسنے تصویر بیگ سے نکال کر اسکی طرف بڑھادی۔جمشید نے وہ تصویر شیخ کی طرف بڑھائی وہ تصویر ہاتھ میں لیکر دیکھنے لگا اور پھر اسکے چہرے پر برہمی کے آثار ابھرے اور وہ غصے کے عالم میں کچھ کہنے لگا مگر وہ سب عربی میں بول رہا تھا اسلیے عبیرہ کچھ بھی سمجھ نہ سکی۔

کیا کہہ رہا ہے ؟ اسنے جمشید سے پوچھا۔

تمہارے شوہر کو گالیوں سے نواز رہا ہے۔اسنے پرسکون لہجے میں جواب دیا تو عبیرہ حیرت زدہ ہوگئی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مگر کیوں؟

مجھے کیا پتہ۔

تو پوچھو ناں

مجھے اپنی موت کو دعوت نہیں دینی یہ جی بھر کے بول لے غصہ ٹھنڈا کرلے اسکے بعد ہی بات ہوگی۔جمشید نے اطمینان سے کہا مگر عبیرہ کا پیمانہ صبر لبریز ہونے لگا تھا۔

ایکسکیوز می۔وہ بآواز بلند بولی تو شیخ نے برہمی سے اسکی طرف دیکھا۔

باکستانی؟ اسنے عبیرہ سے سوال پوچھا اسنے سر اثبات میں ہلایا جمشید نے جلدی سے عربی میں کچھ کہا اور شیخ کے چہرے کے تاثرات نرم پڑ گئے۔

تمہارا شوہر گندا آدمی تھا۔وہ ٹوٹی پھوٹی اردو میں گویا ہوا تو عبیرہ چونک گئی۔

شیخ کو اردو آتی ہے زیادہ حیران مت ہو۔ جمشید نے اسے ٹوکا۔

وہ ہیں کہاں؟ اسکے شیخ سے پوچھا۔

جہنم میں۔شیخ نے نخوت سے جواب دیا۔

پلیز بتائیں حیدر کہاں ہیں؟ میں دو سال سے انکے لیے تڑپ رہی ہوں پلیز رحم کریں مجھ پر۔ وہ روہانسی ہوگئی۔

تم اس گندے کے لیے روتی۔چچ۔۔چچ

۔۔۔تم کتنا معصوم عورت وہ کتنا چالاک وہ اسکی حالت زار پہ افسوس کر رہا تھا۔

آپ انکے بارے میں ایسا کیسے کہہ سکتے ہیں۔میرے حیدر بہت اچھے ہیں۔وہ نم آنکھوں کے ساتھ برہمی سے بول۔شیخ بے اختیار ہنسنے لگا۔

تم معصوم ہو تم کو نئیں پتہ اپنے مرد کا۔وہ اچھا آدمی نئیں ہے۔

وہ ہیں کہاں مجھے صرف اتنا بتادو۔

بولا تو ہے جہنم میں۔اسنے ناک پر سے مکھی اڑانے والے انداز میں جواب دیا۔ عبیرہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھامے کرسی پر گر سی گئی۔جمشید شیخ سے عربی میں کچھ کہنے لگا۔

تمہارا شوہر میری عورت کو خراب کیا تھا۔میں نے اسکو شوٹ کیا مگر وہ بھاگ گیا۔اسنے کچھ دیر بعد انکشاف کیا تو عبیرہ بے تحاشہ اچھل کر کھڑی ہوگئی۔

یہ۔۔۔یہ کیا کہہ رہے ہو تم حیدر ایسے نہیں ہیں۔وہ ہکلائی۔

وہ پیسہ کا واسطے میری عورت کے پاس جاتا تھا اور میری عورت اسکے پرسنالٹی پہ مرتی تھی۔میں بڈھا ہوں ناں وہ یکدم از حد رنجیدہ نظر آنے لگا۔عبیرہ نے بے یقینی سے اسکی طرف دیکھا۔حیدر پیسے کے لیے اتنا کیسے گر سکتا تھا۔

حیدر بد کردار نہیں ہیں۔وہ بے یقینی سے بڑبڑائی۔

سب ہوتا ہے ادھر۔پیسے کے لیے سب چلتا ہے۔میں بولا اپنی عورت کو پیسہ جتنا لے لو مجھ سے پیار کرو مگر وہ پیسہ بھی لیتا اور پیار بھی دوسروں پہ لٹاتا۔ پیسے سے کچھ نہیں ملتا میرے پاس بہت ہے مگر میں خوش نہیں میں اس سے پیار نہیں خرید سکتا۔وہ اردو پر بہت عبور تو نہ رکھتا تھا مگر اسکی آنکھوں میں لکھے درد کو پڑھنے کے لیے لفظوں کی ضرورت تھی بھی نہیں۔عبیرہ کے دل پر ایک گھونسہ پڑا۔

وہ بھاگ گیا میری عورت طلاق لے لیا۔میں اسے مرڈر نہیں کیا کیسے کرتا پیار

کرتا اس سے۔وہ چپ ہوکر اپنی آنکھوں کے بھیگے کنارے صاف کرنے لگا۔
کمرے میں ایک سوگوار سناٹا طاری ہوگیا تھا۔عبیرہ نے سامنے بیٹھے اس امارت جھلکاتے انسان کی طرف دیکھا جو بے پناہ دولت رکھنے کے باوجود تہی دامن تھا۔اور تہی داماں تو وہ بھی تھی۔۔اسے لگا محبت میں ہارے سب انسانوں کے دل کا حال ایک جیسا ہوتا ہے۔انکی روحوں پر ایک جیسے چھید ہوتے ہیں ایک جیسی تکلیف ایک جیسا رنج۔۔وہ دو قدم پیچھے ہٹی۔اور پھر پلٹ کر تقریبا بھاگتی ہوئی ڈرائنگ روم سے باہر نکل آئی۔اسکے ارد گرد آوازیں ہی آوازیں تھیں، شور ہی شور تھا، حیدر کے محبت بھرے جملے۔۔۔اسکی مہربانیاں۔۔وہ سارے شب و روز جو انہوں نے اک دوسرے کی بھرپور رفاقت میں گزارے تھے کسی بھوت کی مانند اسکے تعاقب میں تھے۔وہ کچھ کمروں سے ہوتی داخلی دروازے تک پہنچ کر رک گئی۔اسکی سانس پھول رہی تھی۔ تبھی شاھد بھی اسے پکارتا ہوا وہیں چلا آیا۔

بس ہو گئی تسلی اب۔میں پہلے ہی کہتا تھا تمہارا شوہر کسی مالدار عورت کے چکر میں پڑ گیا ہے۔اسنے طنزیہ انداز میں جتایا۔

مجھے ابھی بھی یقین نہیں آرہا کہ وہ بد کردار ہیں۔اسنے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

باجی تم اس خوش فہمی کے ساتھ مر بھی جاؤ تو بھی تمہارے شوہر کو کوئی فرق

نہیں پڑنے والا۔

پلیز۔۔ایسا مت کہو۔۔ہم دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہیں۔۔ محبت جھوٹ نہیں ہوتی۔ یہ تو فطرت ہے۔۔فطرت میں کھوٹ ہو یہ ممکن ہی نہیں۔وہ بلک اٹھی۔اسکی سماعتوں میں حیدر کے اظہار محبت کی بازگشت تھی اتنا شور تھا کہ اسے اپنی سانسیں رکتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

محبت وحبت سب فراڈ ہوتا ہے باجی۔ مرد کو اسی عورت سے محبت ہوتی ہے جو اسکا پہلو آباد کرتی ہے۔اب تم بھی اس غلط فہمی سے باہر نکلو اور نئ زندگی شروع کرو۔شاھد اکتا کے بولا تو اسنے کرب سے پلکیں جھپکیں۔

چلو اب! بہت حرج ہوگیا ہے میرے کام کا۔اسنے قدم دروازے کی طرف بڑھائے۔اور دروازہ کھول کے باہر نکل گیا۔عبیرہ نے اپنی سانسیں مجتمع کیں اور جانے کو پلٹی پھر یکدم رک گئی۔دائیں ہاتھ والی دیوار پر سلور فریم میں بڑی خوبصورت کیلی گرافی کا نمونہ آویزاں تھا۔اسنے ان لفظوں پہ نگاہ جمائی۔وہ بڑھ واضح لفظ تھے۔۔جگمگاتے ہوئے روشن۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡہٰکُمُ التَّکَاثُرُ (1)

حَتّٰی زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ (2)

كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ (3)

ثُـمَّ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ (4)

كَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ علمِ الۡيَقِيۡنِ (5)

لَتَـرَوُنَّ الۡجَحِـيۡمَ (6)

ثُـمَّ لَتَـرَوُنَّـهَا عَيۡنَ الۡيَقِيۡنِ (7)

ثُـمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ يَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِـيۡمِ (8)

اسکی سماعتوں کو پھاڑتی ماضی کی چنگھاڑیں جیسے آن واحد میں تھم گئیں۔سناٹا چھا گیا تھا۔۔گہرا سناٹا۔۔اسنے سہ بارہ ان آیتوں کو پڑھا اور پھر گہری سانس بھری۔ اسکے دل میں سناٹا اتر آیا۔وہ اپنے آنسو مٹا کر جانے کو پلٹ گئی۔اسے سارے جواب مل گئے تھے۔

آتی جاتی رتوں میں اک رت ٹھہر گئی تھی اور وہ رت ہجر کی رت تھی۔اس کے پندار محبت کا بھرم کچھ اسطرح سے ٹوٹا کہ وہ حیات کی رمق سے عاری ایک سنگی مجسمہ بن کر رہ گئی۔وہ گاؤں واپس تو آگئی مگر اپنی ذات کا کوئی حصہ وہیں کہیں اس اونچے محل میں چھوڑ آئی تھی۔اسکے لبوں نے مسکرانا چھوڑ دیا تھا آنکھوں میں امنگوں کے دیئے اب نہ جلتے۔پلکوں پہ انتظار کی شبنم چمکتی رہتی

اور پریشان زلفیں اسکے شانوں پر بکھری رہتیں۔وہ محبت کے محور سے ٹوٹ کر خلاء میں معلق ہوچکی تھی۔زمان و مکاں کی قید سے آزاد، نہ اسکا کوئی حال تھا نہ مستقبل بس ایک ماضی تھا جو کسی آکٹوپس کی طرح اسے جکڑے ہوئے تھا۔ وہ اس قید سے رہائی نہیں چاہتی تھی۔۔اسکے دل میں امنگوں کے گل نہ کھلتے۔ اسکے جذبوں کی آنچ سرد پڑچکی تھی، اسکی دھڑکنوں کے تلاطم میں سکوت طاری ہوچکا تھا۔وہ جی تو رہی تھی مگر زندگی کا احساس مفقود ہوکر رہ گیا تھا۔

اسکے دوبئ سے واپس آنے کے چھ ماہ بعد ابو اور انکے کچھ ہی دن بعد امی دنیا سے رخصت ہوگئیں۔وہ مکمل طور پر بھائیوں اور بھابھیوں کے رحم و کرم پہ تھی۔اور انکا یہی مطالبہ تھا کہ وہ عدالت سے خلع حاصل کرکے دوسری شادی کرلے۔مگر عبیرہ کسی طور بھی خلع اور دوسری شادی کے لیے تیار نہ تھی۔جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، بھائیوں بھابھیوں کا یہ مطالبہ زور پکڑتا گیا اور پھر یہ مطالبہ جھگڑوں کی شکل اختیار کرنے لگا۔دو سال اسی چخ چخ میں گزرے اور ایک روز بھائیوں بھابھیوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر وہ ساری زندگی حیدر کے نام کا جوگ لیکر بیٹھے رہنا چاہتی ہے تو بہتر ہوگا کہ وہ حیدر کے گھر ہی چلی جائے کیونکہ اب وہ لوگ اسے برداشت کرنے کو تیار نہ تھے۔

بھائیوں کا خیال تھا کہ یہ دھمکی سن کر وہ اپنی ضد چھوڑ دے گی اور خلع لینے پر راضی ہوجائے گی مگر ایسا نہ ہوا۔وہ اگلے ہی روز اپنا سامنا باندھ کر شہر چلی آئی تھی۔جہاں اسکا اور حیدر کا آشیانہ مکمل اداسی میں لپٹا اپنے مکینوں کی آمد کا

منتظر تھا۔وہ جب گھر میں داخل ہوئی تو دھول اور خشک پتوں سے اٹے برآمدے نے اسکا استقبال کیا۔وہ چند لمحے وہیں کھڑی اس اجاڑ گھر کو تکتی رہی پھر دل میں اٹھتے درد کو دباتی اندرونی کمروں کی جانب بڑھی۔وہ چابی کی مدد سے سارے کمرے ایک ایک کرکے کھولتی عقبی دروازے کے قریب آن رکی۔وہ دروازہ بند تھا۔اسنے اسے کھولا اور عقبی لان میں نکل آئی۔

برسات کا موسم تھا اور قریب روز ہی بارش ہوا کرتی تھی سو گھاس پر کہیں کہیں پانی کھڑا تھا اور بے مرمت گھاس کہیں کہیں سے بہت بڑھ آئی تھی۔ ایک جانب رکھی لوہے کی کرسیوں اور میز پر وقت کی شکست و ریخت زنگ کی صورت رقم تھی۔اور بائیں کونے میں کھڑے وہ آم اور جامن کے درخت۔۔عبیرہ بے حس و حرکت گردن اٹھائے انہیں دیکھے گئی۔وہ درخت آج بھی اسی طرح گنجان شاخوں سے بھرے پڑے تھے اور گھاس پر کتنے ہی کچے آم اور جامن مٹی کا رزق ہورہے تھے۔وہ ایک ایک قدم اٹھاتی لان پر اتری۔ خشک پتے اس کے پیروں کے نیچے چرمرائے۔آم کے درخت میں چھپی کوئل اسکی آمد کی خوشی میں کوکنے لگی۔وہ ایک ایک قدم اٹھاتی آم کے درخت کے قریب آن رکی۔اسکا جھولا کیسے تنہا رہ گیا تھا۔خستہ حال اور اداس۔اسنے اسکی موٹی سی رسی کو ہاتھ میں تھاما۔چڑیاں زور زور سے چہکنے لگیں۔وہی تو تھی انکی رفیق۔۔جو انکے ہمراہ گانے گایا کرتی تھی۔۔کتنے طویل انتظار بعد لوٹی تھی وہ شہزادی۔۔پرندوں کا انتظار لاحاصل نہ رہا تھا۔وہ جھولے پر بیٹھ گئی اور اسے

ہولے ہولے جھلانے لگی۔اسکی پلکوں پہ آنسو ٹکے تھے وہ کیسی ناشکری تھی کہ اپنا آشیانہ چھوڑ کر ادھر ادھر بھٹکتی رہی۔۔حیدر گیا تو اسنے بھی اس گھر سے منہ موڑ لیا جیسے یہاں حیدر کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔اسنے جھولا جھولتے ہوئے اپنا سر رسی سے ٹکا دیا اور ہولے ہولے ساون کا گیت گنگنانے لگی۔درخت میں چھپی چڑیاں اسکی رفیق بن گئیں طوطے بھی لوٹ آئے اور کوئل بھی اسکی تان میں تان ملانے لگی۔تبھی آسمان پر بادل گھر گھر کر آنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا آسمان گھور بادلوں سے ڈھک گیا۔دن کے وقت بھی شام کا سماں لگنے لگا تھا۔کچھ ہی لمحوں بعد تیز بارش ہونے لگی۔چہچہاتی چڑیاں اپنے گھونسلوں میں دبک گئیں کوئل بھی خاموش ہو گئی اور طوطے بھی بارش سے بچاؤ کی خاطر اپنے اپنے آشیانوں میں جا چھپے۔

جھولا جھولتی عبیرہ تنہا رہ گئی۔اسکے لب خاموش ہو گئے بارش تڑاتڑ اس پر برس رہی تھی۔اور اسکے چہرے کو بھگوتا پانی آنسوؤں کا بھرم رکھ رہا تھا۔وہ کتنی ہی دیر بارش میں بھیگتی رہی ایکبار بادل بہت زور سے گرجا تو وہ بے طرح چونکی۔شام کے دھندلے سایے پھیلنے لگے تھے اور بادلوں کے سرمئی رنگ پر مغرب کی سرخی کے رنگ چڑھ گئے تھے۔بارش کی رفتار میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی تھی۔وہ جھولے سے اتری اور اندرونی دروازے کی جانب بڑھی وہ سرتاپا بھیگی ہوئی تھی اور اسکا وجود شدید سرد پڑ چکا تھا۔وہ لاؤنج میں آئی اور اپنے سوٹ کیس میں سے ایک جوڑا نکال کر واش روم میں گھس گئی۔بھیگے کپڑوں

سے نجات حاصل کرکے وہ پھر لاؤنج میں آئی اور فرنیچر پر پڑی سفید چادریں اٹھادیں۔سارا گھر تفصیلی صفائی مانگ رہا تھا مگر اس وقت اسمیں سکت نہ تھی۔ اسنے بیگ میں سے چائے کا کچھ سامان نکالا اور باورچی خانے میں آئی۔سٹینڈز میں لگے برتن گرد میں اٹے ہوئے تھے۔اسنے چائے کی دیگچی اور کپ دھو کر چائے کا پانی رکھا اور عقبی لان میں کھلنے والی کھڑکی کے پٹ وا کئے۔بارش اب تک اسی تواتر سے جاری تھی۔اور اب دور دور سے مغرب کی اذان کی آوازیں آنے لگی تھیں۔اسنے پلٹ کر دیگچی کے نیچے چولہا بند کیا اور کچن سے باہر آئی بیگ سے جائے نماز نکال کر اسنے وہیں لاؤنج میں نماز ادا کی اور پھر سے کچن میں آئی۔چائے تیار کرکے وہ لاؤنج میں واپس آئی اور بیگ میں سے بسکٹ کا پیکٹ نکال کر چائے کے ساتھ کھانے لگی۔تبھی لائٹ چلی گئی۔ہر طرف گھپ اندھیرا چھا گیا۔اسنے ٹٹول کر میز سے اپنا موبائل اٹھا کر اسکی ٹارچ روشن کردی۔

طوفانی بارش کا شور اور بادلوں کی گڑگڑاہٹ نے ایک ہیبت ناک تاثر قائم کردیا موبائل کی ٹارچ کی زرد روشنی میں اسے یہ کمرہ بھوتوں کا مسکن معلوم ہورہا تھا۔وہ دونوں پاؤں اوپر کرکے صوفے پر دبک گئی۔اور دوپٹہ اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ لیا۔اسی دم بادل زور سے گرجے اور موبائل کی روشنی بجھ گئی۔ عبیرہ کا دل دہل گیا اسنے موبائل اٹھایا مگر اسکی بیٹری ختم ہوچکی تھی۔اسکا دل خشک پتے کی طرح لرزنے لگا وہ اس طوفانی رات میں اس گھر میں بلکل تنہا

تھی یہ خیال ہی اسے لرزا دینے کو بہت کافی تھا۔

اسنے اپنا سر گھٹنوں میں چھپا لیا اور بے آواز رونے لگی۔بادل اسی زور و شور سے گرج اور برس رہے تھی۔وہ لرزتی رہی روتی رہی جانے کتنا وقت یونہی بیت گیا۔اور پھر بیرونی گیٹ پہ ہلکی سی دستک کی آواز نے اسے بے طرح چونکایا۔اسنے گھبرا کر سر اٹھایا۔اس گھور اندھیرے میں جب ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا، کسی کا دروازے پہ دستک دینا اسکے دل میں کئی خدشات کو جنم دے گیا۔دستک پھر ہوئی اور اسنے پاؤں ٹھنڈی زمین پر رکھے۔اب دستک زور زور سے ہونے لگی تھی۔وہ دم سادھے اٹھی اور ٹٹول ٹٹول کر آگے بڑھی۔اسکا دل جیسے پسلیاں توڑ کر باہر آرہا تھا۔وہ دیوار سے لگی راہداری میں چل رہی تھی اور دستک مسلسل جاری تھی۔اندھیرا اتنا گہرا تھا کہ عبیرہ کو اگر گھر کے راستوں کا اندازہ نہیں ہوتا تو وہ منہ کے بل گر چکی ہوتی۔

وہ اندھیرے میں آگے بڑھتی ہوئی دروازے کے پاس آرکی۔بیرونی گیٹ کو کوئی مسلسل ہلارہا تھا۔اسنے دروازہ کھولا اور برآمدے میں نکلی۔ہر طرف گھور تاریکی کا راج تھا اور چھما چھم برستی بارش۔وہ لرزتے دل کیساتھ گیٹ کے قریب آئی۔

کک۔۔۔کون اسنے بہت ہمت کرکے کپکپائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

حیدر ذیشان۔ باہر سے جواب آیا۔ٹھک سے لاک عبیرہ کے ہاتھوں کی جنبش

سے کھلا اور گیٹ وا ہوتے ہی تیز بجلی کی چمک میں ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تھا۔بارش کی رفتار میں مزید تیزی در آئی اور بادلوں کی گڑگڑاہٹ کا شور۔۔

وہ چپ چاپ اندر آیا اور پلٹ کر دروازہ پھر سے لاک کردیا۔وہ کسی سنگی مجسمے کی طرح ایستادہ تھی بارش اسے ایکبار پھر بھگونے لگی مگر اسے خبر کہاں تھی۔وہ تو جیسے کسی طلسم کے زیر اثر تھی۔۔حیدر اسکی طرف مڑا۔اس گہری تاریکی میں وہ اسے واضح طور پر دیکھ نہ پایا۔اسنے ہاتھ بڑھا کر اسکا بھیگا ہوا ہاتھ تھاما۔وہ بے طرح چونکی۔۔یہ لمس۔۔اسکے لیے تو وہ صدیوں سے ترسی تھی۔

وہ تڑپ اٹھی۔

حیدر۔۔اسکے لبوں سے سرسراتے ہوئے یہ لفظ ادا ہوا۔

حیدر نے اپنے شانے پر لٹکے بیگ کا اسٹریپ چھوڑ دیا، وہ دھپ سے زمین پر گر گیا۔

عبیرہ۔۔۔میری روح۔۔میری جان۔اسنے بے اختیار ہوتے ہوئے اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں سمو لیا۔وہ کسی موم کی گڑیا کی طرح اسکے سینے میں چھپ گئی۔وہ آغوش اسکے لیے جنت کے جیسی تھی، اسکی پناہ گاہ۔۔اسکا کمفرٹ زون۔۔وہ اس جنت سے دور رہ کر کتنا تڑپی تھی، کتنی بے سکون رہی تھی۔۔

اور دنیا نے تو اسے بارہا حیدر سے متنفر ہو جانے پر اکسایا تھا۔۔مگر وہ متنفر نہ

ہوئی۔اسے اپنی محبت پہ یقین تھا اور آج حیدر کی محبت بھری آغوش کی گرمی نے اسے بتایا تھا کہ اسکا یقین غلط نہ تھا۔۔اسکی محبت یکطرفہ نہ تھی۔۔

عبیرہ کی آنکھیں خشک تھیں اور بارش ان دونوں کو بھگوئے دے رہی تھی۔

زندگی بہت ناقابل فہم ہوتی ہے۔ہم سوچتے کچھ ہیں اور ہوتا کچھ اور ہے۔وہ پست آواز میں گویا ہوا۔عبیرہ نے گردن موڑ کر اسکی طرف دیکھا جو فلور کشن پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔کمرے میں مومی شمع کی دھندلی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور بارش کا شور اب مدھم پڑ گیا تھا۔وہ کچھ نہ بولی۔اسے اب حیدر کو سننا تھا اسکی سماعتیں وہ سب سننا چاہتی تھیں جن کا ادراک اسے دو سال قبل شیخ کے محل سے نکلتے وقت ہوا تھا۔

میں نے بچپن سے ایک ہی خواب دیکھا تھا کہ بہت ساری دولت کماؤنگا۔دنیا کی ہر آسائش ہوگی میرے پاس۔بڑا سا گھر، جدید ماڈل کی گاڑی بینک بیلنس۔۔سب کچھ۔۔۔وہ رک کر عجیب سے انداز میں ہنسا۔امی ابو بچپن میں ہی گزر گئے سارا بچپن کبھی خالہ کبھی چچا کبھی تایا کے گھر پر گزرا۔بہت مشکلوں سے تعلیم مکمل کی۔نوکری بھی فورا ہی مل گئی۔اور پھر تم میری زندگی میں آئی۔اسکی آواز میں خواب کا سا تاثر قائم ہوگیا۔آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پر جم گئیں۔عبیرہ آنکھیں سکیڑے اسے دیکھے گئی۔تم نے میرے اندر کی دنیا کو سرتاپا بدل

کر رکھ دیا۔مجھے محبت کے حقیقی معنوں سے آشنا کروایا۔میں تم سے محبت میں اتنا ڈوبا کہ کچھ عرصے کے لیے اپنے پیشن کو بھول ہی گیا۔پھر ایک دن دفتر کے ایک کولیگ نے یونہی باتوں باتوں میں یورپ میں پیسے کمانے کے مواقع کے متعلق بات کی تو میں کیسے گہری نیند سے چونکا اور از سر نو اپنے پیشن کے متعلق سوچنے لگا۔میں نے یورپ کے مختلف ممالک کے ویزے کے لیے اپلائے کیا مگر کامیابی نہ ہوئی۔میری جمع پونجی خرچ ہوتی گئی اور دفتر کے کولیگز کا ادھار بھی چڑھنے لگا۔پھر ایک روز میرے ایک دوست سلیم نے مجھے دوبئ جانے کی تجویز دی۔اسکی اپنی ٹریول ایجنسی تھی کراچی میں۔اسی کے توسط سے ویزہ ملا اور پھر میں تمہیں چھوڑ کر دوبئ چلا آیا۔اسنے پھر توقف کیا۔عبیرہ کو وہ دن یاد آیا جس روز وہ گیا تھا۔۔اور پھر اتنی طویل جدائی انکا مقدر بنی۔تم سے دور جانا میرے لیے بہت جاں گسل لمحہ تھا مگر پیسہ کمانے کی دھن ہر جذبے پر حاوی ہو گئی۔دوبئ پہنچ کر پہلے پہل مجھے کام کے لیے کافی خوار ہونا پڑا۔پھر ایک بار میں ملازمت مل گئی۔مگر جانے کیوں میرا دل مطمئن نہ ہوتا مجھے بار کی کمائی حرام لگتی سلیم مجھے سمجھاتا کہ کچھ عرصے بس کسی بھی طرح پیسہ کما کر واپس آجاؤں اور کوئی کاروبار کرلوں مگر میرا ضمیر یہ گوارا نہ کرتا۔ بہرحال میں نے کچھ ماہ بعد بار کی نوکری ترک کردی اور از سر نو نوکری تلاش کرنے لگا۔میرے مالی حالات خراب ہوتے جارہے تھے اسی لیے تم سے رابطہ بھی کم ہوتا گیا۔پھر مجھے ایک شیخ کے یہاں نوکری ملی۔وہ نوکری میری

شایان شان تو نہ تھی مگر مجھے اتنا اطمینان تھا کہ وہ بہرحال حلال کی کمائی تھی۔مجھے شیخ کے محل میں ہاؤس کیپر کی نوکری ملی تھی اسکے عالیشان محل میں نوکروں کی فوج تھی جن کو مجھے سپروائز کرنا تھا۔تنخواہ اچھی تھی سو میں نے صبر شکر کرکے نوکری شروع کردی۔میرے پاس سے تمہارا اور پاکستان میں سب کا کانٹیکٹ نمبر کھو گیا تھا۔میں چاہتا تھا کہ کچھ پیسے جمع کرکے تمہیں بھیجوں گا اور ساتھ خط بھی لکھوں گا مجھ پر دوبئ میں ہی کچھ دوستوں کا قرض چڑھ چکا تھا جو مجھے اتارنا تھا سو پہلے دو ماہ کی تنخواہ تو اسی میں نکل گئی۔تیسرے ماہ شیخ کی بیوی یورپ کے ٹور سے لوٹی۔وہ ایک جوان اور حسین لڑکی تھی اور کافی بے باک بھی معلوم ہوتی تھی۔اسنے آتے ہی گھر کے ہر ہر انتظار پر نظر رکھ لی۔اور میں نے محسوس کیا کہ وہ میری طرف ضرورت سے زیادہ ملتفت ہوتی تھی۔جب اس کا شوہر موجود نہ ہوتا تو وہ بہانے بہانے سے مجھے اپنے کمرے میں بلاتی بلاوجہ گفتگو کو طول دیتی۔شیخ بہت غصہ ور تھا اور میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ اپنی بیوی پر اعتبار نہ کرتا تھا۔مگر مجھے ان سب باتوں سے کوئی سروکار نہ تھا مجھے بہت اچھی تنخواہ ملتی تھی جو میرے لیے بہت تھی۔میں چپ چاپ اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف رہا مگر شیخ کی بیوی کا بڑھتا ہوا التفات مجھے کھٹکنے لگا۔وہ اب اکثر مجھے ہاتھ تھام کر اپنی جانب متوجہ کرلیتی کبھی باتوں باتوں میں میرا چہرہ تھپتھپا دیتی۔مگر وہ یہ سب اپنے شوہر کی غیر موجودگی میں کرتی تھی شیخ کی موجودگی میں تو وہ یوں بی ہیو کرتی جیسے وہ اس

کے عشق میں گرفتار ہو۔پھر ایک روز شیخ کی غیر موجودگی میں اسنے مجھے اپنے کمرے میں طلب کیا میں اسکے کمرے میں داخل ہوا اور پھر گنگ رہ گیا۔وہ کم سے کم لباس میں مجھے دعوت نظارہ دے رہی تھی۔اسکا حسن ایسا ہوش ربا تھا کہ۔۔۔وہ بولتے بولتے رک گیا۔۔اسکے چہرے پر اذیت کے آثار ابھرے۔عبیرہ کی سماعتیں اسکے اقبال جرم کی منتظر تھیں۔میں بہک گیا عبیرہ۔۔میں بہک گیا۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں اعتراف جرم کر رہا تھا۔عبیرہ نے اپنی پلکوں کو زور سے جھپکا۔وہ لمحے بیت گئے تو میں خود سے نظریں نہ ملا پا رہا تھا دوسری جانب وہ بہت مسرور تھی۔اسنے مجھے بہت سے پیسے دیے اور زبان بند رکھنے کا مشورہ بھی دے ڈالا۔میں پیسے لیے اسکے کمرے سے نکل آیا۔میرے دل میں بہت بار یہ خیال آیا کہ چپ چاپ یہاں سے نکل لوں اور واپس تمہارے پاس چلا آؤں مگر بہت سا پیسہ اور پر تعیش زندگی کا خواب میرے پاؤں کی زنجیر بن گیا۔اگلے روز اسنے پھر مجھے اپنی خواب گاہ میں طلب کیا اور میں اپنے ضمیر پر پاؤں رکھتا اسکے پاس چلا گیا۔اور پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔اسنے مجھے چند ہی دنوں میں مالا مال کردیا تھا۔اور اب میں نے اپنے ضمیر کو سلا دیا تھا۔مجھے پیسہ چاہیے تھا اور اسکے لیے یہ سودا گھاٹے کا نہ تھا وہ ایک بڈھے کی جوان بیوی تھی وہ بڈھا اسکی جنسی ضروریات پوری کرنے سے قاصر تھا سو وہ میری جانب جھکی تھی۔مجھے پیسے کی ضرورت تھی سو میں اسکی طرف جھکا تھا۔ہمارے درمیان غرض جس رشتہ تھا۔اور ہم اس رشتے کو نبھاتے گئے۔میں یہ فراموش ہی کرگیا کہ میں

گناہوں کی دلدل میں ڈوب رہا ہوں اور اسکا انجام بہت بھیانک ہونے والا تھا۔ میری خواہش بھوک بن گئی تھی عبیرہ اور سچ تو یہ ہے کہ گناہ میں لذت بھی بہت ہوتی ہے۔اس سے دامن بچانا بڑی ہی بہادری کا کام ہے۔۔اور انسان تو ہوتا ہی کمزور ہے۔وہ آج ہر ہر اعتراف کر رہا تھا۔عبیرہ کی نگاہوں میں تاسف تھا۔اسنے اپنے سامنے بیٹھے اپنے محبوب شوہر کی جانب دیکھا۔وہ ایک مکمل ہارا ہوا انسان تھا۔عبیرہ کے ارد گرد ایک مدھم سی آواز گونجی۔

(اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُ (1

تمہیں حرص نے غافل کر دیا۔

اس نے تھکی تھکی سی سانس خارج کی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اسی طرح دو ماہ گزر گئے میں وہ جہاں جاتی مجھے ساتھ لیکر جاتی۔اور اب تو میں بھی اسی رفاقت کو انجوائے کرنے لگا تھا وہ بے حد حسین تھی اور میں ایک عمومی جانور جس کو بس سفید گوشت سے رغبت تھی۔۔وہ مجھ پر بے دریغ پیسہ لٹاتی اور میں اسکے عیوض اسکی جنسی بھوک مٹاتا۔کون کہتا ہے کہ طوائف صرف عورت ہوتی ہے۔۔طوائف تو ایک خصلت ہے جو مرد و زن کی تخصیص سے آزاد ہے جو بھی پیسے کے عیوض دو رانوں میں چھپے نفس کے گھوڑے کو بے لگام چھوڑے گا طوائف کہلائے گا۔اس نے بولتے بولتے سامنے رکھے سنٹر ٹیبل پر سر ٹکا دیا۔عبیرہ نے اس نفس کے غلام کو دیکھا۔۔اسکے ارد گرد وہی

مدھر آواز پھر گونجی۔

اَلۡہٰکُمُ التَّکَاثُرُ (1)

تمہیں حرص نے غافل کر دیا۔

حَتّٰی زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ (2)

یہاں تک کہ قبریں جا دیکھیں۔

کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ (3)

ایسا نہیں، آئندہ تم جان لو گے۔

ثُمَّ کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ (4)

پھر ایسا نہیں چاہیے، آئندہ تم جان لو گے۔

کَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡیَقِیۡنِ (5)

ایسا نہیں چاہیے، کاش تم یقینی طور پر جانتے۔

ایک روز میں صبح کے وقت اسکے کمرے میں اسکے ساتھ محو گناہ تھا کہ اچانک شیخ چلا آیا۔ شاید اسے ہم دونوں پر پہلے سے شک تھا سو اس نے ہمیں رنگے ہاتھوں پکڑنے کے لیے اچانک چھاپہ مارا۔اور ہم رنگے ہاتھوں پکڑے گئے۔شیخ کا صدمے اور غصے سے برا حال تھا وہ اپنی بیوی کو بہت چاہتا تھا اسے یقین ہی

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

نہ آرہا تھا کہ اسکی بیوی جو اس پہ جان چھڑکتی ہے یوں اپنے نفس کے ہاتھوں مجبور ہو کر گناہ پر مائل ہوجائے گی۔اس نے اپنی بیوی سے بس ایک سوال پوچھا تھا کہ تم نے میری محبت کو اتنا سستا کیوں بیچ دیا۔تو اس لمحے مجھے اچانک تم یاد آئی تھیں۔میں گہری نیند سے جاگا تھا۔خواب غفلت سے بیدار ہوا تھا میں عبیرہ! اور اپنے آپ سے نظریں ملانے کے لائق نہ رہا۔۔میں نے بھی تو تمہاری محبت کو کتنے سستے داموں فروخت کرڈالا تھا۔مجھے اس سمے اپنے آپ سے نفرت محسوس ہوئی تھی عبیرہ۔اسکی آواز حلق میں گھٹ گئی۔عبیرہ کی آنکھیں کسی بے آب و گیاہ صحرا کی طرح خشک تھیں۔

شیخ مجھے شوٹ کرنے کے درپے تھا مگر میں وہاں سے بھاگ نکلا۔پیسہ میرے پاس بہت تھا۔سو میں وہاں سے پہلے ترکی اور پھر جرمنی چلا گیا۔وہاں میں نے کچھ عرصے ایک ریسٹورنٹ پہ نوکری کی مگر مجھے قلبی سکون حاصل نہ تھا تمہاری یاد کسی صورت چین نہ لینے دیتی اور پیسہ مجھے بچھوؤں کی طرح محسوس ہوتا۔تمہارا سامنا کرنے کی بھی ہمت نہ تھی اور ایک بار تمہیں دیکھنے کی خواہش تھی کہ بڑھتی ہی جارہی تھی۔احساس گناہ مجھ پر حاوی تھا۔میں دن رات اللہ سے معافی مانگتا اور پھر میں نے فیصلہ کرلیا کہ میں لوٹ آؤنگا اور تمہیں سارے سچ بتادوں گا۔وہ چپ ہوگیا۔باہر اب پھر سے تیز بارش برسنے لگی تھی۔مومی شمع کی لو بہت مدھم ہوچکی تھی اور کمرے میں نیم تاریکی کا راج ہوگیا تھا۔حیدر میز پہ سر ٹیکے ندامت کے آنسو بہا رہا تھا اور عبیرہ ترحم بھری

نظروں سے اسے تک رہی تھی۔سامنے بیٹھا یہ شخص محبت کے دعوے میں جھوٹا نہ تھا۔۔وہ نفس سے جنگ میں ہار گیا تھا۔۔اسکی حرص نے اسے گناہ و ثواب، جنت و دوزخ کے فرق سے غافل کرڈالا تھا۔جرمنی جاکر میں نے دن رات بس ایک بات سوچی ہے عبیرہ کہ میں کتنا بلیسڈ تھا میرے پاس اچھی نوکری تھی گھر گاڑی اور ایک باوفا شریک حیات تھی۔ہمارا گزر بسر اچھا ہوتا تھا کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلانا پڑا تھا سب ضروریات بھی پوری ہوتی تھی۔پتہ نہیں میں نے اپنی جنت کو ٹھوکر کیوں ماردی۔وہ جانے اس سے سوال کر رہا تھا یا خود سے۔عبیرہ کچھ سمجھ نہ پائی۔اسکے ارد گرد بس ایک ہی مدھر سی آواز کی گونج تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

كَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡيَقِيۡنِ (5)

ایسا نہیں چاہیے، کاش تم یقینی طور پر جانتے۔

لَتَرَوُنَّ الۡجَحِيۡمَ (6)

البتہ تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے۔

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيۡنَ الۡيَقِيۡنِ (7)

پھر تم اسے ضرور بالکل یقینی طور پر دیکھو گے۔

ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ يَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِيۡمِ (8)

پھر اس دن تم سے نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔

انسان کو حاصل کی قدر کبھی نہیں ہوتی عبیرہ اور لاحاصل کے لیے وہ ساری عمر آنسو بہاتا رہتا ہے۔اسنے سر اٹھا کر آنسوؤں سے تر چہرہ اسکی جانب موڑا۔ مومی شمع کی روشنی بہت کم رہ گئی تھی۔اتنی کم کہ اسے حیدر کے نقوش مٹے مٹے سے دکھائی دیئے۔بجلی زور سے چمکی تو ایک لمحے کو کمرے میں روشنی پھیلی اور موم بتی کی لو لڑکھڑا کر بجھ گئی۔اب پھر سے مکمل تاریکی کا راج ہوگیا۔وہ دونوں بلکل چپ تھے۔۔بارش کی متواتر ٹپ ٹپ کے سوا کوئی آواز نہ تھی۔۔

عبیرہ۔۔جانے کتنی دیر گزری جب حیدر نے اسے پکارا۔وہ بے طرح چونکی۔ جی۔اسکے لبوں سے سرسراتے ہوئے لفظ پھسلے۔

مجھے معاف کردو۔وہ وہی جملہ بولا جو وہ اس سے کبھی نہیں سننا چاہتی تھی۔ اسے یاد آیا ساڑھے چار سال قبل جس روز وہ جارہا تھا تب اس نے کتنی ہی بار اسکا بازو تھام کر اسکی منت کی تھی روتے ہوئے کہا تھا کہ مت جائیں حیدر۔۔ مجھ سے دور مت جائیں۔مگر تب وہ نہ رکا تھا۔اسے چھوڑ کر نئے جہان تلاشنے نکل کھڑا ہوا تھا۔مگر وہ تو وہیں رکی رہی تھی۔۔نہیں۔۔۔رکی کہاں تھی وہ تو در در خوار ہوئی تھی۔۔اسے تلاشنے کی خاطر کیسی کیسی کلفتیں نہ اٹھائیں تھی بس ایکبار یہ سننے کیلیے کہ وہ اس سے سچی محبت کرتا ہے۔۔وہ کیسی نادان تھی جو یہ سمجھ نہ پائی تھی کہ اسکا محبوب جھوٹا نہیں تھا وہ تو اپنی حرص کی گردش

میں پھنس گیا تھا۔دو سال قبل شیخ کے محل سے آتے ہوئے اسنے سنہرے فریم میں لکھی آیتیں پڑھیں تو یکدم انکشاف ہوا کہ وہ تو بیکار ہی تردد کررہی ہے حیدر ذیشان کی محبت میں کھوٹ ہے نہ اسکی چاہتیں جھوٹی تھیں۔اصل مسئلہ تو اسکی حرص کا تھا ہوس کا تھا۔۔مال کی محبت نے اسے غافل کردیا تھا سو اسے ٹھوکروں سے کوئی نہ بچا سکتا تھا اسے سزا بھگتنا ہی تھی۔سو وہ چپ چاپ لوٹ آئی تھی۔اسکے دل سے انتظار کی لو بجھ گئی تھی۔اسنے اپنی زندگی سے سمجھوتہ کرلیا تھا بس وہ کسی اور مرد کو حیدر کی جگہ نہیں دے سکتی تھی سو تنہا ہی جینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

عبیرہ۔۔حیدر نے پھر اسے پکارا تو وہ اپنے خیالات سے چونکی۔

بولیں حیدر۔

تم مجھے معاف کردو۔میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔وہ ندامت سے پر لہجے میں بولا۔

میرے ساتھ نہیں آپ نے اپنے ساتھ زیادتی کی ہے۔خود پر ظلم کیا ہے۔اسنے ہموار لہجے میں کہا۔

میری وجہ سے تمہیں اتنے عرصے تنہائی کا عذاب بھگتنا پڑا۔

انسان تنہا ہی ہوتا ہے اگر وہ سمجھے تو۔۔سہارے سب وقتی ہوتے ہیں۔۔آخر میں بس ہم ہوتے ہیں اور ہمارا اللہ۔

عبیرہ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔وہ رو پڑا۔

میں بھی آپ سے بہت محبت کرتی ہوں حیدر۔اسکی آواز نمی کے اثر سے پاک تھی اندھیرے نے اسکے آنسوؤں کا بھرم رکھ لیا تھا۔

میں نے تمہارے ساتھ بے وفائی کی۔وہ اعتراف جرم کئے جارہا تھا۔عبیرہ یہ سب نہیں سننا چاہتی تھی وہ اسے کبھی سر جھکائے شکست خوردہ نہ دیکھنا چاہتی تھی مگر وہ بے بس تھی۔۔وہ اسکے اعمال کی ذمے دار کبھی نہ تھی۔

وفا مرد کا وصف ہی کب ہے حیدر؟ اسنے الٹا سوال پوچھا۔تو حیدر کتنی ہی دیر کچھ نہ کہہ سکا۔

مجھے برا بھلا کہہ لو۔بھلے دھتکار دو۔سزا دو مجھے عبیرہ۔وہ بلک رہا تھا۔

سزا و جزا کی مالک میں نہیں ہوں اور آپ میرے مجرم تو ہیں بھی نہیں۔مجھے آپ سے بس ایک ہی امید تھی کہ آپ دنیا میں کہیں بھی چلے جائیں بس آپکے دل میں میری محبت کبھی ختم نہیں ہوسکتی۔اور میری امید تو نہیں توڑی آپ نے۔آپ نے اللہ کو ناراض کیا ہے حیدر۔تو سزا و جزا کا معاملہ بھی وہ جانے اور آپ جانیں۔اسنے اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور اٹھ کر اندازے سے چلتی باورچی خانے میں گئی ماچس جلا کر کیبنٹ سے موم بتی نکال کے روشن کی اور اسے لیے لاؤنج میں واپس آئی۔وہ سر گھٹنوں میں دیئے فلور کشن پہ بیٹھا تھا۔اسنے موم بتی سنٹر ٹیبل پر رکھی اور اسکے پاس بیٹھ گئی۔

حیدر۔اسنے اسکے شانے پر ہاتھ رکھا۔حیدر نے سر اٹھا کر اسکی طرف دیکھا۔اس زرد روشنی میں وہ دونوں ہجر زدہ چہروں اور فراق کی ستائی آنکھوں کیساتھ ایک دوسرے تک رہے تھے۔انہیں ایک دوسرے سے بڑی گاڑھی محبت تھی، یہ سچ تھا۔مگر محبت کو نبھانا بڑا کٹھن ہوتا ہے سب اس امتحان میں کامیاب نہیں ہوپاتے۔جو لڑکھڑا جاتے ہیں وہ مکر جانے کی راہ اپنا لیتے ہیں۔حیدر اور عبیرہ میں یہ قدر مشترک تھی کہ لاکھ مصیبتوں، صعوبتوں اور لغزشوں کے باوجود وہ محبت سے منکر نہ ہوئے تھے۔محبت کرب ہے درد ہے نارسائی ہے مگر جھوٹ نہیں۔یہ ایک ایسا سچ ہے کہ بزدل اس سے چشم پوشی تو اختیار کرسکتے ہیں، مفاد پرست اس سے مکر تو سکتے ہیں مگر اس عالمگیر جذبے کو مٹا کوئی نہیں سکتا۔

NEW ERA MAGAZINE .org
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آئم سوری عبیرہ۔اسکے بہتے آنسوؤں کی یورش میں کہا۔وہ کیسا ہارا ہوا نظر آرہا تھا۔عبیرہ کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

کاش آپ چار سال قبل میری بات مان لیتے حیدر اور نہ جاتے تو یہ گہری تاریکی ہمارا مقدر نہ بنتی۔وہ روپڑی تھی۔

بہت بڑی غلطی ہو گئی۔بہت بڑی۔وہ اپنے ماتھے پر ہتھیلی سے ہلکی ہلکی ضرب لگاتے ہوئے سر جھکا گیا۔

ہمیں زندگی کو زیرو سے شروع کرنا ہے۔وہ اپنی سسکیاں دباتے ہوئے بولی۔

زندگی۔۔عبیرہ کیا زندگی بچی ہے میرے پاس؟ اسنے سر اٹھا کر بے بسی کے عالم میں پوچھا۔

اللہ معاف کر دیتا ہے حیدر آپ اس سے معافی مانگ لیں۔

ہاں وہ تو معاف کر دیتا ہے۔۔وہ اتنا مہربان ہے عبیرہ تو ہم اسکی محبت میں گناہ کرنا چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟ اس نے وہ سوال پوچھا تھا جس کا جواب شاید کسی انسان کے پاس نہیں۔

میں گناہوں کا عادی شخص تو نہ تھا پھر کیوں بہک گیا عبیرہ؟

ہر انسان بہک جاتا ہے، شیطان ساتھ جو ہے
عقل پہ پردے پڑجاتے ہیں عبیرہ۔سمجھ ہی نہیں آتا کیا صحیح ہے کیا غلط۔

پتہ ہر انسان کو ہوتا ہے کہ کیا صحیح ہے کیا غلط بس یہ شیطانی وسوسے ہوتے ہیں جو ہماری آگاہی کو گمراہی میں بدل دیتے ہیں۔اسنے ہموار لہجے میں جواب دیا۔

شیطان سے کیسے چھٹکارا پایا جائے؟ اسنے پوچھا۔

اللہ سے مدد مانگ کر۔۔گناہ کو گناہ سمجھتے ہوئے اس سے کنارہ کشی کرکے اور اگر بھول کر کوئی گناہ ہوجائے تو اسے عادت بنالینے کی بجائے توبہ کرلی جائے۔ شیطان اور انسان کی جنگ ازل سے جاری ہے رہتی دنیا تک جاری ہی رہے گی

حیدر۔انسان کو یہ جنگ جیتنی ہے کیونکہ اگر وہ ہار گیا تو جنت بھی ہار جائے گا۔
اسکا گلا بھرا گیا۔حیدر نے سر ہلا کر اپنے آنسو پونچھے اور اپنی شریک حیات کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں جکڑا۔

جنت واپس بھی تو مل جاتی ہے ناں عبیرہ؟ اسنے پر امید لہجے میں پوچھا تو عبیرہ کی نم آنکھوں پہ چمکتے ستارے یکدم جگمگا اٹھے۔

ہاں۔مل جاتی ہے۔وہ ہولے سے مسکرائی۔اب اور کچھ کہنے کی حاجت نہ تھی۔
حیدر نے اسکا سر اپنے شانے سے لگا لیا۔بارش زور و شور سے جاری تھی۔
مشرقی افق پہ ابھرتی ہلکی ہلکی سرخی یہ پیام دے رہی تھی کہ اجالا اب زیادہ دور نہ تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہم اداسی کے اس دبستاں کا،

آخری مستند حوالہ ہیں۔۔

♥ختم شدہ♥

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔

ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین (New Era Magazine) کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل، شاعری، پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین